تفسیر
سورۃ الحجر

۱۵۔سورہ الحجر

نام آیت ۸۰ تا ۸۴ میں حجر والوں کا ذکر ہوا ہے جو رسولوں کو جھٹلانے کی بنا پر تباہ کر دئے گئے تھے۔ یہ قوم ثمود تھی جس کا مرکزی مقام حجر تھا جو مدینہ اور تبوک کے درمیان واقع ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام الحجر ہے۔

زمانہ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔ یہ سورۂ ابراہیم اور سورۂ ہود سے پہلے کی تنزیل ہے۔

مرکزی مضمون رسالت اور وحی سے متعلق شبہات کو دور کرنا اور جھٹلانے والوں کو اس کے انجام سے خبردار کرنا ہے۔

نظم کلام آیت ۱ میں بطور تمہید قرآن کی امتیازی شان بیان ہوئی ہے۔

آیت ۲ تا ۱۵ میں منکرین رسالت کے شبہات و اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

آیت ۱۶ تا ۲۵ میں عجائباتِ قدرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس پر غور کرنے سے وحی، رسالت اور حشر کے بارے میں شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

آیت ۲۶ تا ۴۴ میں ابلیس کی گمراہی کا وہ واقعہ پیش کیا گیا ہے جو آدم کی تخلیق کے فوراً بعد پیش آیا تھا۔ مقصود اس سے یہ واضح کرنا ہے کہ وہ شیطان ہے جو انسان کو گمراہ کرنے کے درپے ہے۔ اور بہ کثرت لوگ اس کے دام فریب میں آ رہے ہیں۔ وہ وحی اور رسالت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر ان کو راہ حق سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ وہ اور اس کے اشارہ پر چلنے والے سب جہنم میں پہنچ کر رہیں گے۔

آیت ۴۵ تا ۴۸ میں ان لوگوں کے بہترین انجام کا ذکر ہوا ہے جو شیطان کی باتوں میں نہیں آئے۔ بلکہ اپنے رب سے ڈرتے رہے اور شرک اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا۔

آیت ۴۹ تا ۸۴ میں انبیائی تاریخ کے چند واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں پر تو اس کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے سرکش بندوں پر اس کے عذاب کا کوڑا برستا ہے۔

آیت ۸۵ تا ۹۹ خاتمہ کلام ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروان حق کیلئے تسلی کا سامان بھی ہے اور یہ ہدایت بھی۔ کہ جو لوگ دنیا پرستی میں غرق ہیں ان کی مادی دولت کو رشک کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ بلکہ اس عظیم دولت کی قدر کریں جو قرآن کی شکل میں انہیں عطا ہوئی ہے۔

۱۵۔ سُورۃُ الحِجر

سُوْرَةُ الْحِجْرِ

آیات ۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱

۱ الف۔لام۔را ۔ ۱؎ ۔یہ آیتیں ہیں الکتاب ۲؎ اور روشن قرآن کی۔ ۳؎

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲

۲ وہ وقت آئے گا جب یہ کافر تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلم ہوتے! ۴؎

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳

۳ انہیں چھوڑ دو کہ کھائیں پئیں، مزے کرلیں اور (جھوٹی) امید انہیں غفلت میں ڈالے رکھے۔عنقریب انہیں معلوم ہوجائے گا۔ ۵؎

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴

۴ ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس کے لئے ایک مقررہ نوشتہ رہا ہے۔ ۶؎

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵

۵ کوئی قوم نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ ۷؎

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶

۶ یہ لوگ کہتے ہیں ۔اے وہ شخص جس پر نصیحت نازل کی گئی ہے یقیناً تم دیوانے ہو۔ ۸؎

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷

۷ اگر تم سچے ہو تو فرشتوں کو ہمارے سامنے لے کیوں نہیں آتے؟

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸

۸ ہم فرشتوں کو یوں ہی نہیں اتارتے بلکہ فیصلہ کے ساتھ اتارتے ہیں۔اور اس وقت لوگوں کو مہلت نہیں دی جاتی۔ ۹؎

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹

۹ بلاشبہ یہ یاددہانی ہم ہی نے نازل کی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ۱۰؎

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰

۱۰ اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے گذری ہوئی امتوں میں رسول بھیجے تھے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱

۱۱ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی رسول ان کے پاس آیا ہو اور انہوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲

۱۲ اسی طرح ہم مجرموں کے دلوں میں یہ بات داخل کرتے ہیں۔ ۱۱؎

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳

۱۳ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور گذشتہ قوموں کے واقعات گذر چکے۔ ۱۲؎

۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ یونس نوٹ ۱۔ نیز سورۂ بقرہ نوٹ ۱۔

۲۔ مراد کتاب الٰہی ہے۔قرآن کے کتاب ہونے کے مفہوم میں درج ذیل باتیں شامل ہیں:

اولاً یہ مکمل کتاب ہے جس کی آیتوں اور سورتوں کی ترتیب اللہ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ کسی بھی کتاب کی ترتیب اس کا مصنف ہی قائم کرتا ہے اور اس کے منشا کے خلاف ترتیب قائم کرنے کا حق کسی کو نہیں ہوتا۔

ثانیاً یہ ضبط تحریر میں آنے والی کتاب ہے کیوں کہ عربی میں کتاب کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔

ثالثاً یہ ایک مربوط کتاب ہے کیوں کہ کوئی بھی اہم کتاب ایسی نہیں ہوسکتی جس کے اجزاء باہم مربوط نہ ہوں۔

۳۔ عربی میں قرآن کے لفظی معنیٰ پڑھنے کے ہیں۔ کتاب الٰہی کا یہ مصدری نام اپنے اس وصف کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب بار بار پڑھنے کے لائق اور بہ کثرت پڑھی جانے والی ہے۔نزول وحی کا آغاز اقرأ (پڑھ) سے ہوا تھا۔اس مناسبت سے بھی اس کتاب کا نام قرآن موزون قرار پایا۔رہی اس کی صفت مبین یعنی روشن ہونا تو اس کی تشریح سورۂ یوسف نوٹ ۲۔ میں گذر چکی۔

۴۔ مراد موت کی گھڑی بھی ہے اور قیامت کی گھڑی بھی۔ جب کافر دین حق سے اپنی محرومی پر پچھتائیں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام کو قبول کر کے مسلمان ہو گئے ہوتے۔

قرآن نے یہ بات دوٹوک انداز میں لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے تاکہ وہ مذاہب کے چکر سے نکل آئیں۔اور سیدھے سیدھے اسلام میں داخل ہو جائیں کہ آخرت میں نجات کی واحد راہ یہی ہے۔

۵۔ یعنی قرآن جس حق کو پیش کر رہا ہے اس کو سننے اور ماننے کے لئے جو لوگ تیار نہیں ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ کچھ دن یہ دنیا کی سرمستیوں میں مگن رہیں گے۔لیکن آنکھ بند ہوتے ہی انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا تھی۔

۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ تھی کہ اس کو کس وقت تک مہلت دی جائے گی۔ مطلب یہ کہ اللہ کے کام ٹھیک ٹھیک منصوبہ کے مطابق ہوتے ہیں۔

۷۔ یعنی کوئی قوم اللہ کے مقررہ وقت سے پہلے نہ ہلاک ہوسکتی اور نہ اس کے بعد زندہ رہ سکتی ہے۔

۸۔ منکرین پیغمبر سے کہتے تھے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ خدا کی طرف سے تم پر نصیحت نازل ہوئی ہے سراسر دیوانگی ہے۔اور وحی کی جو کیفیت تم پر طاری ہوتی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک جنونی کیفیت ہے، جس میں تم مبتلا ہو گئے ہو۔

منکرین کے اس الزام کو تاریخ نے غلط ثابت کر دکھایا کیونکہ آپ نہ صرف تاریخ ساز اور انقلابی شخصیت کی حیثیت سے ابھرے بلکہ ایک بہترین معلم اور بہترین کردار ساز انسان کی حیثیت سے آپ نے وہ نقوش چھوڑے، کہ رہتی دنیا تک کے لئے آپ کی شخصیت ایک مثالی شخصیت بن گئی۔اور وہ کلام جس کو دیوانگی قرار دیا گیا تھا اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ کلام کی حیثیت سے ہمارے سامنے موجود ہے۔کیا یہ کارنامے کسی دیوانہ شخص کے ہوسکتے ہیں؟

۹۔ یہ ان کے اعتراض کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کو تمہارے مطالبہ پر اتارا جائے تو تمہاری آزمائش کہاں باقی رہے گی؟ فرشتوں کو تو اسی وقت اتارا جاتا ہے جب کسی قوم کی مہلت عمل ختم ہوگئی ہو اور اس کی قسمت کا فیصلہ چکا دینا ہو۔

۱۰۔ یعنی قرآن کو جو سرتا سر یاد دہانی اور نصیحت ہے ہم ہی نے نازل کیا ہے۔ یہ نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف ہے اور نہ اس میں شیطان کا یا کسی اور کا کوئی دخل ہے۔اور یہ جو فرمایا ''یقیناً ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' تو اس نے آئندہ کیلئے ضمانت دے دی، کہ نہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع ہو سکے گا اور نہ اس میں کسی قسم کی تحریف ہو سکے گی۔ بلکہ یہ اپنے اصل الفاظ میں جوں کا توں باقی رہے گا تاکہ اس چشمہ صافی سے انسانیت فیضیاب ہوتی رہے۔اور قرآن کی صداقت کا یہ

بقیہ صفحہ ۸۰۹ پر

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

۱۴ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے جس پر یہ چڑھنے لگتے۔

لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

۱۵ تب بھی یہی کہتے کہ ہماری نظریں ماردی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ ۱۳؎

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾

۱۶ اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے ان کو خوشنما بنا دیا۔ ۱۴؎

وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾

۱۷ نیز ہر شیطان مردود سے اس کو محفوظ کر دیا۔ ۱۵؎

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

۱۸ اور جو چوری چھپے سُن گن لینا چاہے تو ایک روشن شہاب اس کا پیچھا کرتا ہے۔ ۱۶؎

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا
مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾

۱۹ اور زمین کو ہم نے پھیلایا، اس میں پہاڑ گاڑ دئے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں مناسب مقدار میں اگائیں۔ ۱۷؎

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾

۲۰ اور اس میں تمہارے گذر بسر کا سامان مہیا کر دیا نیز ان کی گذر بسر کا بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ ۱۸؎

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا
نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾

۲۱ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، مگر اس کو ایک مقرر مقدار ہی میں اتارتے ہیں۔ ۱۹؎

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾

۲۲ اور ہم ہواؤں کو باردار بنا کر چلاتے ہیں پھر آسمان (اوپر) سے پانی برساتے ہیں اور اس سے تمہیں سیراب کرتے ہیں، ورنہ تم ذخیرہ کر کے نہیں رکھ سکتے تھے۔ ۲۰؎

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳ اور یہ ہم ہی ہیں کہ زندگی اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ ۲۱؎

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾

۲۴ ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے ہو گذرے اور ان کو بھی جو بعد میں آنے والے ہیں۔ ۲۲؎

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

۲۵ اور بے شک تمہارا رب ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ وہ حکمت والا علم والا ہے۔ ۲۳؎

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ
مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾

۲۶ اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ ۲۴؎

۱۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ کوئی ایسا معجزہ صادر فرماتا، کہ آسمان کا دروازہ کھل جاتا اور یہ اس میں چڑھنے لگتے تب بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ بلکہ اس معجزہ کی توجیہ یہ کرتے کہ اس شخص نے ہماری نظریں جادو سے ماردی ہیں۔اس لئے آسمان میں جو دروازہ ہمیں دکھائی دے رہا ہے وہ محض ایک شعبدہ ہے۔اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس شخص نے ہمارے حواس کو جادو سے اس طرح متاثر کر دیا ہے، کہ ہم آسمان میں اپنے کو چڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔حالانکہ یہ سب دھوکا ہے۔

مقصود اس سے ان کافروں کی ہٹ دھرمی کو واضح کرنا ہے کہ ان کو اگر کوئی بڑے سے بڑا معجزہ دکھا دیا جائے، تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

۱۴؎ برج سے مراد روشن ستاروں کی جھرمٹ (Constellation) ہیں۔جن کی خوشنمائی ہر دیکھنے والے کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بروج نوٹ ۲؎۔

۱۵؎ یعنی شیطان کی رسائی آسمان تک نہیں ہے۔وہ آسمان کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتے۔اس لئے ان کے لئے نہ وہاں شر پھیلانے کا موقع ہے اور نہ وہاں کی خبریں لانے کا۔

۱۶؎ جن اور شیاطین نہایت لطیف وجود رکھنے والی مخلوق ہیں۔اور انہیں یہ قدرت حاصل ہے کہ آسمان کی طرف پرواز کر سکیں۔مگر آسمان کے حدود میں داخل ہونے سے انہیں روک دیا گیا ہے۔نزول قرآن سے قبل وہ آسمان کے قریب پھٹکنے کی کوشش کرتے تھے، تاکہ عالم بالا کی خبریں معلوم کر سکیں۔مگر اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔تاہم انہوں نے کاہنوں پر یہ اثر جما دیا تھا کہ وہ غیب کی خبریں لانے پر قادر ہیں اور اس بنا پر نزول قرآن سے پہلے کہانت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر چل رہا تھا۔اور کاہن، شیاطین کے زیر اثر عوام کو بے وقوف بنا کر خوب دوکانداری کرتے اور ان کی گمراہی کا پورا سامان کرتے۔اس کہانت کی بنیاد اگرچہ جھوٹ پر تھی لیکن، چونکہ یہ غیب کی خبریں دینے کے مدعی تھے،اس لئے ان کا کاروبار خوب چلتا تھا۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی بنیاد پر غیب کی خبریں سنانا شروع کیں، تو کافروں نے آپ پر کہانت کا الزام لگایا۔حالانکہ نبوت اور کہانت میں حق و باطل کا فرق بالکل نمایاں ہے۔مزید اہتمام نزول قرآن کے سلسلہ میں یہ کیا گیا کہ اگر کوئی جن یا شیطان ٹوہ لگانے کی کوشش کرتا، تو ایک دمکتا شعلہ ستاروں سے نکل کر اس کا تعاقب کرتا۔اس اہتمام نے کہانت کے سلسلہ کو جو نبوت کے بالمقابل تھا ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا چنانچہ اب دنیا میں اس قسم کی کہانت کا وجود نہیں رہا جس قسم کی کہانت کا وجود نزول قرآن اور ختم نبوت سے پہلے تھا۔اب اگر کہانت باقی ہے تو پامسٹری (palmistry) اور جوتش (Astrology) کے قسم کی چیزیں ہیں۔اور یہ کاہن قسمت کا حال بتانے کے مدعی ہوتے ہیں۔

سورۂ جن میں جنوں کا اپنا بیان اس طرح نقل ہوا ہے:

وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۔ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا۔ (سورۂ جن ۷ تا ۹)

''اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے بھر دیا گیا ہے۔اور یہ کہ کچھ سُن گُن لینے کے لئے ہم اس کے بعض ٹھکانوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے مگر اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا ہے''۔

جنوں کی یہ پرواز جب آسمان سے قریب کے خطہ تک ہوتی ہے تو ظاہر ہے، ان پر شہاب بھی وہیں چھوڑے جاتے ہوں گے اور قرآن کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شہاب ستاروں کے چھوڑے جاتے ہیں:

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ (الملک۔۵)

''ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطانوں کے لئے مار کا ذریعہ بنایا۔''

گویا وہ شہاب باری یا شعلہ باری جو جنوں اور شیطانوں کی پرواز آسمانوں کی طرف روک دیتی ہے، کافی بلندی پر ستاروں کے خطوں میں ہوتی ہے۔اس لئے

قرآن کے بیان کردہ شہاب سے وہ شہاب (Meteor) مراد لینا صحیح نہ ہوگا، جو زمین سے پچاس ساٹھ میل کی بلندی پر روزانہ بڑی تعداد میں گرتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ شہاب جب انسان کی چاند پر پرواز میں مانع نہیں ہوئے تو جنوں کی پرواز میں کس طرح مانع ہو سکتے ہیں؟ اور جب انسان کی پرواز چاند تک ہو سکتی ہے تو جنوں کی پرواز اس سے آگے کیسے نہیں ہوگی؟

۱۷۔ اس بیان سے یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ کی قدرت اس کی حکمت اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اسی طرح اس کی یہ نشانیاں زمین میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں مگر مناسب مقدار میں۔ اگر غلہ ہی غلہ پیدا ہوتا تو انسان پھلوں سے محروم ہوتا۔ اور اگر پھل ہی پھل پیدا ہوتے تو انسان غلہ کے لئے ترستا۔ لیکن یہ انسان کے خالق ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے جو ذوق انسان کو عطا فرمایا ہے۔ اس کی مناسبت سے چیزیں پیدا کردیں۔ اور اس مقدار میں پیدا کردیں جو اس کی فطرت کو مطلوب تھیں۔ اللہ کی ربوبیت اور حکمت کی یہ کتنی واضح نشانی ہے!

۱۸۔ زمین میں چلنے والے بیشمار جانور اور ہوا میں اڑنے والے لاتعداد پرندے ایسے ہیں، جن کی روزی کا انسان کوئی سامان نہیں کرتا، بلکہ ان کا رب براہ راست ان کو روزی پہنچاتا ہے۔ معیشت کے اس ہمہ گیر نظام کو دیکھتے ہوئے اللہ کی ربوبیت میں کیا ادنیٰ شک کے لئے بھی گنجائش رہتی ہے۔

۱۹۔ جس وقت زمین پر انسانی آبادی بالکل محدود تھی اس وقت زمین کی پیداوار بھی نہایت محدود تھی لیکن آج جب کہ آبادی اربوں انسانوں تک پہنچ گئی ہے زمین کی پیداوار میں بھی بہ کثرت اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔ اور وہ ایک منصوبہ کے مطابق اس کو پیدا فرماتا رہتا ہے۔ انسان کی اتنی بڑی تعداد، ہوا، پانی، غلہ اور پھل وغیرہ کو جس مقدار میں استعمال کررہی ہیں وہ بے حد و بے حساب ہے لیکن اس سے اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

۲۰۔ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو چلاتا ہے جو بادلوں سے باردار ہوتی ہیں۔ پھر ان بادلوں سے پانی برستا ہے جس سے لوگ سیراب ہوتے ہیں۔ بارش کے انتظام نے انسان کے لئے پانی کی فراہمی کس قدر آسان کردی، ورنہ انسان کے بس میں نہ تھا کہ پانی کے ایسے ذخیرے جمع کر رکھے جو عمر بھر اس کے کام آسکیں۔

۲۱۔ انسان جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اپنا مال دنیا ہی میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے، گو اس کے اقرباء اس کے وارث ہوتے ہیں، لیکن مجازی طور پر۔ کیوں کہ ان کا وارث ہونا اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقتاً اللہ ہی اس مال کا وارث ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ واضح حقیقت یہ ہے کہ جب قیامت کا بگل بجے گا اور تمام انسان اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، تو بنی نوع انسان کی ساری املاک اور تمام اثاثہ اللہ ہی کے قبضہ میں آجائے گا۔ لہٰذا اللہ ہی سب کا وارث یعنی مالک ہے۔

۲۲۔ یعنی اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کا حساب چکائے۔ اس لئے کہ جو لوگ مرچکے وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں اور بعد میں آنے والوں کو بھی وہ جانتا ہے۔ کوئی فرد خواہ ماضی کا ہو یا حال اور مستقبل کا اس کا علم سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اس سے ہرگز کوئی بھول چوک نہیں ہوتی۔

۲۳۔ یعنی اس کی صفت حکمت کا تقاضا ہے کہ ایک دن سب کو اپنے حضور جمع کرے۔ اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ وہ انسان کے اعمال سے بے خبر ہو۔

۲۴۔ انسان کا آغاز اس زمین پر کس طرح ہوا؟ یہ نہایت ہی اہم سوال ہے جس کا تعلق نہ صرف تاریخی واقعات سے ہے، بلکہ اس کے اپنے وجود کی حقیقت سے بھی ہے۔ اور انسان کے لئے اپنے وجود کی حقیقت سے باخبر ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ پوری روشنی میں زندگی کا سفر طے کرسکے۔ قرآن نے اس سوال کا یہاں اور دوسرے مقامات پر واضح جواب دیا ہے۔ اس آیت میں انسان کی تخلیق کے بارے میں جو بات ارشاد ہوئی ہے اس سے درج ذیل حقیقتیں واضح ہوتی ہیں:

اولاً: انسان اتفاقی حادثہ کے طور پر خود بخود وجود میں نہیں آیا۔ بلکہ خالق کائنات نے اپنے حکیمانہ منصوبہ کے مطابق اس کو پیدا فرمایا ہے۔

ثانیاً: انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ سڑی ہوئی مٹی سے انسان کا قالب بنایا گیا ہے۔ پھر جب وہ سوکھ کر کھنکھناتی مٹی کا پتلا

بن گیا تو اس میں جان ڈال دی گئی۔

ثالثاً: سڑی ہوئی مٹی سے ایک بہترین مخلوق کی تخلیق خالق کے کمالِ قدرت کی نشانی اور اس کی کرشمہ سازی کی دلیل ہے۔ وہ چاہے تو ذرہ کو آفتاب بنائے۔

رابعاً: انسان کی پیدائش جب سڑی ہوئی مٹی جیسی حقیر چیز سے ہوئی ہے، تو اس کو غرور اور تکبر زیب نہیں دیتا۔ اس کا مقام خدا کے سامنے بندگی اور فروتنی کا ہے اس لئے وہ مخلوق ہے، نہ کہ خالق اور بندہ ہے، نہ کہ خدا۔

یہ حقائق ڈارون کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں کہ انسان بندر سے بنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں کوئی علمی ثبوت موجود نہیں ہے بلکہ یہ محض قیاسی بات ہے۔ اور خالق کے بیان کی موجودگی میں مخلوق کا، خواہ وہ کتنا ہی بڑا مفکر کیوں نہ ہو قیاس آرائی سے کام لینا باطل اور حد درجہ کی گمراہی ہے۔ جب انسان کے خالق نے واضح طور سے بتا دیا کہ انسان کو اس نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ تو اس کو اہمیت نہ دینا اور ایک فلسفی کی اس رائے سے کہ انسان کی تخلیق بندر سے ہوئی ہے مرعوب ہونا صریح احمقانہ بات ہے، جو بندر ہی کو زیب دیتی ہے انسان کو نہیں۔

واضح رہے کہ تورات میں بھی یہ حقیقت بیان ہوئی ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے:

''اور خداوند نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔'' (پیدائش ۲:۷)

گویا انسان کی تخلیق کے بارے میں تورات کا بیان قرآن کے بیان سے ہم آہنگ ہے۔ البتہ قرآن نے مزید وضاحت کر دی کہ مٹی کس قسم کی تھی اور اس کو کس طرح انسان کی شکل میں ڈھالا گیا۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۸۰۵ سے آگے

واضح ثبوت ہے کہ آج قرآن لفظاً لفظاً اپنی اصل شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ نہ صرف امت کے حفاظ اسے نسلاً بعد نسل سینہ بہ سینہ نقل کرتے رہے، بلکہ نبی ﷺ کے زمانہ سے یہ تحریری شکل میں بھی منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس کا قدیم ترین نسخہ جو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جو مصحف عثمانی کہلاتا ہے آج بھی دنیا میں موجود ہے (مصحف عثمانی کی تصویر کے لئے دیکھئے صفحہ ۸۱۳)

۱۱۔ یعنی جب وہ ہدایت قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ گمراہی کی بات ان کے دلوں میں داخل کر دیتا ہے۔

۱۲۔ یعنی کافر قوموں کی ہلاکت کے واقعات گذر چکے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کا دستور کیا ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

۲۷ اوراس سے پہلے ہم جن کوآگ کی لَو سے پیدا کر چکے تھے۔ ۲۵؎

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

۲۸ اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ تو جب میں اس کو ٹھیک بنالوں، ۲۶؎ اور اس میں اپنی روح پھونک دوں ۲۷؎، تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ چنانچہ سب کے سب فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ ۲۸؎

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ سوائے ابلیس کے ۲۹؎ کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲ پوچھا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

۳۳ اس نے کہا "مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا"۔ ۳۰؎

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾

۳۴ حکم ہوا نکل جا یہاں سے کہ تو مردود ہے۔ ۳۱؎

وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾

۳۵ اور روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔ ۳۲؎

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ اس نے کہا تو مجھے اس دن تک مہلت دیدے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ فرمایا تجھے مہلت دی گئی۔ ۳۳؎

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

۳۸ اس دن تک جس کا وقت مقرر ہے۔ ۳۴؎

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ اس نے کہا میرے رب! چونکہ تو نے مجھے بہکایا ہے۔ ۳۵؎ اس لئے میں زمین میں ان کیلئے دلفریبیاں پیدا کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا۔ ۳۶؎

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ سوائے تیرے ان بندوں کے جن کو تو نے ان میں سے خاص کرلیا ہو۔ ۳۷؎

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾

۴۱ فرمایا: یہ سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچتی ہے۔ ۳۸؎

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ واقعی جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا۔ ۳۹؎ صرف ان بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں۔ ۴۰؎

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳ اور ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔ ۴۱؎

۲۵۔ جس طرح اوپر کی آیت میں ''الانسان'' سے مراد پہلا انسان ہے جس کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ اور پھر اس سے انسانوں کا سلسلہ چلا۔ اسی طرح اس آیت میں ''الجان'' سے مراد پہلا جن ہے جس کو آگ کی لُو سے پیدا کیا گیا۔ اور پھر اس سے جنات کا سلسلہ چلا۔ جن کے لفظی معنیٰ ہیں مستور یعنی چھپی ہوئی مخلوق، چونکہ جن عنصر لطیف سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے وہ دکھائی نہیں دیتے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مخلوق کی خبر ہمیں دے کر نہ صرف یہ کہ ہمارے علم میں اضافہ کیا ہے، بلکہ ہمیں اپنے چھپے دشمن۔ ابلیس۔ سے بھی آگاہ کر دیا ہے جس کا تعلق گروہ جن سے ہے۔

جنوں کا انکار محض اس بنا پر کرنا کہ وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتے صحیح نہیں، جب کہ ان کے وجود کی خبر ہمیں ان کا اور ہمارا خالق دے رہا ہے۔ دنیا میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کی خبر انسان کو خوردبین اور دوربین کی ایجاد سے پہلے نہ تھی۔ مثلاً وہ نہیں جانتا تھا کہ جراثیم بھی کوئی مخلوق ہے، جو انسان کے جسم میں سرایت کر کے اس کی بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ واضح رہے کہ جنوں کی تخلیق کے بارے میں کوئی صراحت تورات میں نہیں ہے۔ بلکہ قرآن نے اس کی صراحت کر کے انسان کے علم میں اضافہ کیا ہے۔ اس سے مخالفین کے اس الزام کی بھی تردید ہوتی ہے کہ قرآن تورات کا چربہ ہے۔

۲۶۔ یعنی اس کو انسانی شکل میں ڈھال لوں اور اس کی تخلیق مکمل کر لوں۔

۲۷۔ اس آیت میں انسان کے وجود کے تعلق سے نہایت اہم حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کا وجود محض مادی نہیں ہے، بلکہ مادہ اور روح سے مرکب ہے۔ یہ روح ایک جوہر لطیف ہے جو علم، عقل، گویائی اور خیر و شر میں تمیز کی قوت جیسی صفات کی حامل ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر وہ ایک بہترین اور اشرف مخلوق قرار پایا ہے۔ یہ گویا اندر کا انسان ہے جو دیکھتا، سنتا، بولتا اور ادراک کرتا ہے۔ آنکھ، کان، زبان اور دماغ کی حیثیت محض آلات اور ذرائع کی ہے۔ اور جب تک انسان اپنی اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا اپنے مقصد وجود کو پا نہیں سکتا۔ مادہ پرست جن کی نظر میں انسان گوشت پوست سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا انسان کو اس کے مقام سے گرا دیتے ہیں۔ پھر وہ محض معاشی حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔

واضح رہے کہ آیت میں یہ جو فرمایا گیا کہ ''اس میں روح پھونک دوں'' تو اس میں روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے شرف کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ الوہیت (خدائی) کا کوئی جزء انسان کے اندر حلول کر گیا ہے۔ اللہ اس سے پاک اور بلند ہے کہ کوئی چیز اس سے خارج ہو یا اس کا کوئی جزء کسی میں منتقل ہو۔ وہ یکتا ہے جس کا نہ کوئی جزء ہو سکتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ اخلاص) قرآن میں جس طرح خانۂ کعبہ (بیت اللہ) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے شرف کی وجہ سے کی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گھر میں بند ہے اسی طرح یہاں روح کی نسبت اللہ کی طرف اس کے فضل و شرف کی بنا پر کی گئی ہے۔ کسی آیت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے محل کلام کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور ان بنیادی حقائق اور تعلیمات کو بھی جن کو قرآن نے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۲۸۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۴۷۔ میں گذر چکی۔

۲۹۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۴۸۔ میں گذر چکی۔

۳۰۔ اس موقع پر سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۔ پیش نظر رہے۔

۳۱۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۷۔

۳۲۔ یعنی قیامت تک تو خیر اور رحمت سے محروم ہے اور قیامت کا دن تو فیصلہ اور بدلہ کا دن ہوگا۔

۳۳۔ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۱۸۔ میں گذر چکی۔

۳۴۔ یعنی قیامت تک۔

۳۵۔ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۱۹۔ میں گذر چکی۔

۳۶۔ یعنی دنیا کو ان کی نظر میں ایسا دلفریب بنا کر پیش کروں گا کہ وہ خدا اور آخرت کو بھول جائیں گے۔ اور انہیں ایسے سبز باغ دکھاؤں گا کہ وہ میرے پیچھے چل پڑیں گے۔

۳۷۔ یعنی میرا جادو تیرے ان بندوں پر نہیں چل سکے گا جن کو تو نے اپنے لئے خالص کرلیا ہو۔ اللہ کے کسی بندہ کو خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی توفیق سے وہ صرف اللہ کا بندہ بن کر رہا ہو۔ اور اللہ کی توفیق ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے کو اس کا مستحق بناتے ہیں۔

۳۸۔ ''یہ سیدھی راہ'' سے مراد اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی راہ ہے جیسا کہ اس سے پہلی اور اس کے بعد والی آیت سے واضح ہے اور سورۂ فاتحہ میں اسی کو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (ان کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ توحید اور اللہ کی عبادت و اطاعت کی راہ ہے جس کا نام اسلام ہے۔

اس راہ کے اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر چل کر آدمی اللہ کو پالیتا ہے۔ اور دوسری کوئی راہ نہیں ہے جس پر چل کر آدمی اللہ کو پاسکے۔

۳۹۔ یعنی جو میرے بندے بن کر رہیں گے ان کو تو زبردستی اپنی راہ پر نہیں چلا سکتا۔ واضح ہوا کہ شیطان کا کام برائی کی طرف ترغیب دینا ہے۔ اگر آدمی نیک بننا چاہتا ہو تو شیطان اسے زبردستی برائی کی راہ پر ڈال نہیں سکتا۔

۴۰۔ یعنی تیرے فریب کا شکار وہی لوگ ہوں گے جو بہک گئے ہوں۔ یعنی جنہوں نے اپنے آپ کو خواہشات کے حوالہ کر دیا ہو اور تیری پیروی اختیار کی ہو۔

غویٰ (بہکنا) کا مطلب خواہشات کی اتباع کرنا اور جہالت میں مبتلا ہونا ہے جس کا دوسرا نام گمراہی ہے۔

۴۱۔ خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو۔

قرآن اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے

مصحف عثمانی جو سمرقند میں محفوظ ہے

(سورۂ بقرہ :۸۷۔۸۸)

صفحه من مصحف سيدنا
عثمان رضى الله عنه
(نسخة سمرقند)

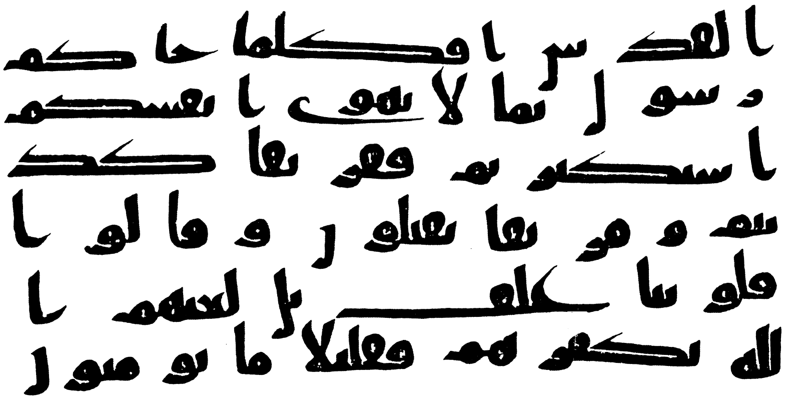

اوپر کی عبارت

الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ
اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا
غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

سُورَةُ الْحِجْرِ

”بلا شبہ یہ یاددہانی ہم ہی نے نازل کی ہے اور ہم
ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ۖ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿٤٤﴾

۴۴ اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کیلئے ان کا ایک حصہ مخصوص ہوگا۔ ۴۲؎

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾

۴۵ بلاشبہ متقی لوگ ۴۳؎ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾

۴۶ داخل ہوجاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہوکر۔ ۴۴؎

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾

۴۷ ان کے سینوں (دلوں) میں جو کدورت ہوگی وہ ہم نکال دیں گے ۴۵؎۔ وہ بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

۴۸ وہاں نہ تو انہیں کوئی تکان محسوس ہوگی ۴۶؎۔ اور نہ وہاں سے نکالے ہی جائیں گے۔

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾

۴۹ میرے بندوں کو آگاہ کردو ۴۷؎! کہ میں بخشنے والا رحم فرمانے والا ہوں۔

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

۵۰ اور یہ بھی کہ میرا عذاب بڑا دردناک عذاب ہے۔ ۴۸؎

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾

۵۱ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا واقعہ سناؤ ۔ ۴۹؎

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾

۵۲ جب وہ اس کے پاس آئے ۵۰؎ تو کہا سلام ہو آپ پر۔ ۵۱؎ اس نے کہا ہم آپ لوگوں سے اندیشہ محسوس کرتے ہیں۔ ۵۲؎

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾

۵۳ انہوں نے کہا آپ اندیشہ نہ کریں۔ ہم آپ کو ایک ذی علم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ ۵۳؎

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾

۵۴ اس نے کہا کیا آپ مجھے اس بڑھاپے میں یہ بشارت دے رہے ہیں! تو یہ کیسی بشارت ہے؟ ۵۴؎

قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ﴿٥٥﴾

۵۵ انہوں نے کہا ہم نے آپ کو سچائی کے ساتھ بشارت دی ہے تو آپ مایوس نہ ہوں۔

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾

۵۶ اس نے کہا اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہوں کے سوا کون مایوس ہوسکتا ہے۔ ۵۵؎

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷ اس نے پوچھا اے فرستادو! آپ لوگ کس مہم پر آئے ہیں۔ ۵۶؎

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾

۵۸ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ۵۷؎

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾

۵۹ مگر لوط کے گھر والے، ہم ان سب کو بچالیں گے۔ ۵۸؎

۴۲؎ گمراہیاں اور معصیتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔مثلاً الحاد،شرک،نفاق،قتل،زناوغیرہ۔اس لئے سزائیں بھی مختلف قسم کی ہوں گی۔آیت کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جہنم کے سات دروازے سزا کی نوعیت کے لحاظ سے ہیں۔قیامت کے دن مجرمین کی گمراہیوں اور گناہوں کو دیکھتے ہوئے ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔اور جو گروہ جس قسم کی سزا کا مستحق ہوگا اس سے مناسبت رکھنے والے دروازے سے اس کا جہنم میں داخلہ ہوگا۔

۴۳؎ اوپر کی آیات سے واضح ہے کہ یہاں متقیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہوئے،شیطان کی پیروی سے باز رہیں گے۔اور اللہ کی بندگی واطاعت کی راہ اختیار کریں گے۔

۴۴؎ یعنی قیامت کے دن متقیوں سے کہا جائے گا،کہ جنت کے باغوں میں جن میں چشمے جاری ہوں گے داخل ہوجاؤ۔''سلامتی کے ساتھ'' اور ''بے خوف ہوکر''،یعنی مستقبل کی طرف سے مطمئن ہوکر،کہ یہ نعمتیں تم سے کبھی چھین لی جانے والی نہیں ہیں،بلکہ ہمیشہ تم امن وچین کے ساتھ رہو گے۔

۴۵؎ یعنی ان کے دلوں کو صاف اور مصفّٰی کردیا گیا ہوگا۔جنت کے ماحول میں کسی کے خلاف کینہ،بغض،حسد جیسی کوئی چیز ان کے دلوں میں نہیں ہوگی۔دنیا میں آپس کی جو رنجشیں رہی ہوں گی ان سے ان کے دل بالکل پاک کردئے گئے ہوں گے۔اس لئے وہ محبت اور خلوص کے جذبات کے ساتھ ایک دوسرے سے اس طرح ملیں گے کہ گویا شیر وشکر ہوگئے ہوں گے۔

۴۶؎ یعنی جنت کی زندگی دنیا کی زندگی سے بالکل مختلف ہوگی۔وہاں نہ کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ تکان لاحق ہوگی اور نہ ہی اکتاہٹ محسوس ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

یُنَادِی مُنَادٍ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَصِحُّوْ افَلَا تَسْقَمُوْ ا اَبَدًا وَ اِنَّ لَکُمْ ان تَحْیُوْ افلا تموتو ا اَبَدًا و اِن لکم اَنْ تَشَبُّوْ افَلَا تَهْرَ مُو ا اَبَدًا وَ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَنْعِمُوْ افَلَا تَبَاسُوْ ا اَبَدًا۔ (مسلم کتاب احوال القیامۃ)

''ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اب تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے۔اور زندہ رہو گے کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔اور جوان رہو گے کبھی تمہیں بڑھاپا نہ آئے گا۔اور عیش میں رہو گے کبھی تمہیں تکلیف نہ ہوگی۔''

۴۷؎ خطاب نبی ﷺ سے ہے۔

۴۸؎ یعنی میرے بندے جہاں میری مغفرت اور رحمت کو یاد رکھیں،وہاں یہ بات بھی نہ بھولیں کہ میرا عذاب بڑا دردناک ہوتا ہے۔ان دونوں باتوں کو یاد رکھنے کے نتیجہ ہی میں امید اور خوف کے ساتھ زندگی گذاری جاسکتی ہے۔بخلاف اس کے جو لوگ اللہ کے عذاب کو نظر انداز کردیتے ہیں،وہ گناہ پر گناہ کئے چلے جاتے ہیں اور موہوم آرزوؤں پر تکیہ کرتے ہیں۔

۴۹؎ یہ واقعہ سورۂ ہود آیت ۶۹ تا ۷۶ میں بیان ہوا ہے۔اس موقع پر مذکورہ آیات اور ان کے تشریحی نوٹ پیش نظر رہیں۔

۵۰؎ یہ فرشتے تھے جو انسانی شکل میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔

۵۱؎ اس کی تشریح سورۂ ہود نوٹ ۹۷؎ میں گذر چکی۔

۵۲؎ اس کی تشریح سورۂ ہود نوٹ ۹۹؎ میں گذر چکی۔

۵۳؎ یہ حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت تھی۔اور مزید بشارت اس بات کی تھی کہ لڑکا ذی علم ہوگا۔یہ گویا اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ یہ لڑکا علم نبوت سے سرفراز ہوگا۔مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ ہود نوٹ ۱۰۱ ۔

۵۴؎ چونکہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے انہیں بچہ کی ولادت کی بشارت سن کر تعجب ہوا۔

۵۵؎ واضح ہوا کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہی ہے۔ایک مؤمن اللہ سے ہمیشہ رحمت کا امیدوار رہتا ہے اور اسکے الطاف وعنایات سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔

۵۶۔ فرشتوں کا اس طرح انسانی شکل میں آنا کسی آزمائش اور کسی غیر معمولی مقصد ہی کے لئے ہوسکتا تھا۔اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال کیا کہ وہ اہم کام کیا ہے جس کے لئے آپ بھیجے گئے ہیں۔

۵۷۔ یعنی قوم لوط کی طرف ہم بھیجے گئے ہیں جو ایک مجرم قوم ہے۔اس کا مخصوص جرم مَردوں کا مَردوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا تھا۔سورۂ اعراف آیت ۸۰۔ تا ۸۴۔ میں لوط کی سرگذشت مختصراً بیان ہوئی ہے۔نیز سورۂ ہود آیت ۷۷۔ تا ۸۳۔ میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔اس موقع پر مذکورہ آیات اور ان کے تشریحی نوٹ پیش نظر رہیں۔

۵۸۔ یعنی لوط کے گھر والے ایمان لائے ہیں اور وہ مجرم نہیں ہیں۔اس لئے ان کو اس عذاب سے بچالیا جائے گا جو لوط کی قوم پر نازل ہونے والا ہے۔

سوائے اس کی بیوی کے، ہم نے ٹھہرادیا ہے، کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں
سے ہوگی۔ پھر جب یہ فرستادے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے۔ تو اس نے
کہا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں، بلکہ ہم لوگ آپ
کے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک کر رہے
تھے۔ ہم آپ کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے
ہیں۔ لہٰذا آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان
کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے گا۔ اور چلے جاؤ
جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم نے اس فیصلہ سے اس کو باخبر کیا کہ صبح
ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ (القرآن)

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾

[٦٠] سوائے اس کی بیوی کے ۵۹ ـ، ہم نے ٹھہرادیا ہے ٦٠ ـ، کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ ٦١ ـ

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾

[٦١] پھر جب یہ فرستادے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے۔

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾

[٦٢] تو اس نے کہا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ ٦٢ ـ

قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾

[٦٣] انہوں نے کہا نہیں، بلکہ ہم لوگ آپ کے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ٦٣ ـ

وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾

[٦٤] ہم آپ کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾

[٦٥] لہٰذا آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان کے پیچھے پیچھے چلیں ٦٤ ـ۔ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے گا ٦٥ ـ۔ اور چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾

[٦٦] اور ہم نے اس فیصلہ سے اس کو باخبر کیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ ٦٦ ـ

وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾

[٦٧] اور شہر کے لوگ خوش خوش آ پہنچے۔ ٦٧ ـ

قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾

[٦٨] اس نے کہا یہ میرے مہمان ہیں ٦٨ ـ۔ تو تم لوگ میری فضیحت نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٦٩﴾

[٦٩] اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔

قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٧٠﴾

[٧٠] انہوں نے کہا کیا ہم نے آپ کو دوسری قوموں کے لوگوں (کو ٹھہرانے) سے منع نہیں کیا تھا؟ ٧٠ ـ

قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٧١﴾

[٧١] اس نے کہا یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، اگر تمہیں (جائز طریقہ اختیار) کرنا ہے۔ ٧١ ـ

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾

[٧٢] تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ اپنی بدمستیوں میں اندھے ہو گئے ہیں۔ ٧٢ ـ

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾

[٧٣] بالآخر صبح ہوتے ہی ایک ہولناک آواز نے انہیں آ لیا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
مِنْ سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾

[٧٤] اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر کے رکھ دیا اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے ٧٣ ـ۔

۵۹۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۳۲ نیز سورۂ نوٹ ۱۱۷۔

۶۰۔ یہ فرشتوں کا اپنا قول نہیں، بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو فرشتوں کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ نمل آیت ۵۷ میں یہی بات اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے طور پر بیان ہوئی ہے: فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ۔ ''ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو بچا یا سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے ٹھہرادیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی''۔

۶۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ ہود نوٹ ۱۱۷۔

۶۲۔ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے۔ اور قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوبرو لڑکوں کی شکل میں تھے۔ اس لئے لوط علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں، جو کسی دوسرے علاقہ سے آئے ہیں اور میرے گھر مہمان رہنا چاہتے ہیں۔ چونکہ قوم کی آزمائش مطلوب تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس روپ میں بھیجا تھا۔ اور اس مصلحت کے پیش نظر فرشتوں نے ابتداء میں اپنا فرشتہ ہونا لوط پر ظاہر نہیں کیا۔ البتہ بعد میں موقع کی مناسبت سے انہوں نے اپنا فرشتہ ہونا لوط پر ظاہر کردیا۔

۶۳۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب لے کر آئے ہیں، جس کے آنے کے بارے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ یہ بات فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو اس وقت بتائی جب شہر کے لوگوں نے ان کے گھر کو گھیر لیا تھا۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر بیان ہوا۔

۶۴۔ پیچھے پیچھے چلنے کا حکم اسلئے دیا گیا کہ پیچھے سے نگرانی رہے، کہ کوئی شخص پیچھے سے اپنے گھر کی طرف لوٹنے نہ پائے اور نہ پیچھے مڑ کر دیکھے۔ نیز اس میں اہل ایمان کیلئے اطاعت و فرمانبرداری اور توکل کا امتحان تھا، کہ وہ اپنے پیغمبر کو اپنے سامنے نہ دیکھتے ہوئے بھی اس راہ پر چلتے ہیں یا نہیں، جس پر چلنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔

۶۵۔ اس کی تشریح سورۂ ہود نوٹ ۱۱۶ میں گذر چکی۔

۶۶۔ یعنی ان کو بالکل تباہ کر دیا جائے گا۔

۶۷۔ یعنی شہر کے لوگ خوبرو مہمانوں کو دیکھ کر برے ارادہ سے لوط کے گھر پہنچ گئے۔ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ شکار ہاتھ آنے والا ہے۔

۶۸۔ اس وقت تک فرشتوں نے لوط علیہ السلام پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ فرشتے ہیں۔ اوپر آیت ۶۳ تا ۶۵ میں فرشتوں کا جو بیان نقل ہوا ہے وہ اس وقت کی بات ہے جب کہ شہر کے لوگوں نے لوط علیہ السلام کے گھر کو گھیر لیا تھا۔ اور وہ اپنے مہمانوں کی عزت کو خطرہ میں پا کر سخت پریشان ہو رہے تھے۔

۶۹۔ یعنی اگر میرے مہمانوں کو تم نے اغواء کر لیا تو میرے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہوگی۔

۷۰۔ یعنی ہم نے تو باہر کے کسی آدمی کو پناہ دینے سے آپ کو منع کیا تھا۔ پھر ان مسافروں کو آپ نے اپنے گھر میں کیوں ٹھہرایا؟ اس سے قوم لوط کی غنڈہ گردی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس بات کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھے کہ کسی شریف آدمی کو، جو باہر سے ان کے ملک میں آیا ہوا ہے، کوئی بھی خواہ اپنا مہمان بنالے۔

۷۱۔ یعنی اپنی شہوت کو جائز طریقہ سے پورا کرنا چاہتے ہو تو تمہارے گھروں میں تمہاری بیویاں موجود ہیں۔ پھر ایک فطری اور جائز طریقہ کو چھوڑ کر غیر فطری اور حرام طریقہ کو اختیار کرنے کا کیا مطلب؟ اسی بات کی طرف لوط علیہ السلام نے نہایت پروقار اور شائستہ انداز میں لوگوں کو متوجہ کیا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قوم کی عورتوں کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ ہود نوٹ ۱۱۰۔

۷۲۔ اس موقع پر جب کہ لوط کی آخری نصیحت بھی ان کی قوم پر اثر انداز نہ ہوسکی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری زندگی اس بات پر شاہد ہے کہ تم نے اپنی قوم کی اصلاح میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن یہ قوم ایسی ناہنجار ہے کہ کوئی نصیحت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور ان لوگوں پر شہوت کا نشہ ایسا چڑھ گیا ہے کہ ان کی عقل ماری گئی ہے، وہ بالکل اندھے بن کر رہ گئے ہیں۔ اب ان کے لئے عذاب مقدر ہے۔

واضح رہے کہ ایسے موقع پر قسم عربی میں شہادت (گواہی) کے معنی میں ہوتی ہے اور یہ بلاغت کا ایک اسلوب ہے۔

۷۳۔ اس کی تشریح سورۂ ہود نوٹ ۱۱۹ میں گذر چکی۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾

۷۵ بلاشبہ اس (واقعہ) میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جوفراست سے کام لیتے ہیں۔۷۴؎

وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾

۷۶ اور یہ (اجڑی ہوئی) بستی شاہراہِ عام پر واقع ہے۔۷۵؎

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

۷۷ یقیناً اس میں ایمان رکھنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔۷۶؎

وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾

۷۸ اور (دیکھو) ''ایکہ والے'' بڑے ظالم تھے۔۷۷؎

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾

۷۹ تو ہم نے ان کو بھی سزا دی۔ اور یہ دونوں ہی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔۷۸؎

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾

۸۰ اور ''حجر'' ۷۹؎ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔۸۰؎

وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾

۸۱ ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے۔۸۱؎

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾

۸۲ وہ پہاڑوں کو تراش کر امن وچین کے ساتھ گھر بناتے تھے۔۸۲؎

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾

۸۳ پھر ایسا ہوا کہ (ایک دن) ان کو صبح ہوتے ہی ہولناک آواز نے آلیا۔۸۳؎

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾

۸۴ اور جو کچھ انہوں نے کمایا تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔۸۴؎

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾

۸۵ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کی بنیاد ہی پر پیدا کیا ہے ۸۵؎۔ اور قیامت کی گھڑی یقیناً آنے والی ہے لہٰذا خوبصورتی کے ساتھ درگذر کرو۔۸۶؎

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾

۸۶ یقیناً تمہارا رب بڑا ہی پیدا کرنے والا علم والا ہے۔۸۷؎

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾

۸۷ ہم نے تمہیں سات دہرائی جانیوالی آیتیں اور قرآنِ عظیم عطاء کیا ہے۔۸۸؎

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾

۸۸ تم اس سامان دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے ۸۹؎۔ اور نہ ان کی حالت پر غم کھاؤ ۹۰؎۔ اور مومنوں کے لئے اپنے بازو جھکا دو۔۹۱؎

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾

۸۹ اور کہو میں تو کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔

كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾

۹۰ ہم نے (یہ کتاب اسی طرح اتاری ہے) جس طرح حصے بخرے کرنے والوں پر اتاری تھی۔۹۲؎

۷۴۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ ہود نوٹ ۱۴۷ اور ۱۴۸۔

۷۵۔ سدوم اور عمورہ کا علاقہ جہاں قوم لوط آباد تھی حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اور اس شاہراہ عام پر پڑتا تھا جس پر سے تجارتی قافلے گذرتے تھے۔

۷۶۔ نشانی اس بات کی، کہ بالآخر اللہ کی رحمت اہل ایمان ہی کے حصہ میں آتی ہے۔ اور حقیقی عزت وسرفرازی ان ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

۷۷۔ ''اَیکہ'' گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔ مدین کے قریب کا علاقہ گھنے درختوں سے پُر تھا جس میں قوم شعیب آباد تھی اس لئے اس قوم کو اصحاب الاَیکہ کہا گیا۔ قوم شعیب کی سرگزشت سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گذر چکی۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۳۴ تا ۱۴۹ اور سورۂ ہود ۱۲۲ تا ۱۴۰۔

۷۸۔ یعنی جو شاہراہ حجاز سے شام اور فلسطین کو جاتی ہے، اس پر اصحاب اَیکہ اور قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں پڑتی ہیں۔ ان کے آثار اس شاہراہ سے گذرنے والوں کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

جہاں تک قوم شعیب کا تعلق ہے اس کے آثار تو اب بھی موجود ہیں۔ لیکن لوط کی بستیاں، سدوم اور عمورہ، جس علاقہ میں تھیں وہ سمندر میں تبدیل ہو چکا ہے جسے بحر مردار (Dead sea) کہتے ہیں۔ یہ سطح سمندر سے چار سو میٹر نیچے ہے جو بظاہر زلزلہ ہی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے کنارہ پر چند سال قبل کچھ آثار کا انکشاف ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو قصص الانبیاء۔ عبدالوہاب نجار ص ۱۱۳)

۷۹۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ کے شمال میں تبوک کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے۔ یہاں قوم ثمود آباد تھی اور اس کا مرکزی مقام مدائن صالح تھا۔ اس کی تباہی کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ان آثار پر سے ہوا تھا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے اصحاب کو ہدایت فرمائی تھی کہ یہاں سے روتے ہوئے گذر جائیں۔ (بخاری کتاب التفسیر)

۸۰۔ صالح علیہ السلام کی دعوت وہی تھی جو دوسرے رسولوں کی تھی۔ اس لئے ان کو جھٹلانا تمام رسولوں کو جھٹلانے کے ہم معنیٰ تھا۔

۸۱۔ ثمود کی سرگزشت سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گذر چکی۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۱۵ تا ۱۲۶ اور سورۂ ہود نوٹ ۸۶ تا ۹۵۔

۸۲۔ یعنی اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو وہ شاندار عمارتیں تعمیر کرنے اور چین کی بانسری بجانے میں صرف کر رہے تھے۔ انہوں نے دنیا کو مقصود بنا لیا تھا اور خدا کے حضور جوابدہی کا کوئی خیال نہیں تھا۔

۸۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۲۳۔

۸۴۔ یعنی اپنی حفاظت کے لئے جو مضبوط مکان انہوں نے بنائے تھے وہ ان کی کچھ حفاظت نہ کر سکے۔ اور ان کی ساری دولت، تمام کارنامے اور ان کا پورا تمدن ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔

۸۵۔ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۱۲۴ میں گذر چکی۔

۸۶۔ یعنی جب قیامت آنے والی ہے اور سب کو اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے، تو اے نبی! یہ مخالفین تمہارے خلاف جو بیہودہ باتیں کر رہے ہیں اس سے تمہیں دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ تم ان سے درگذر کرو اور یہ درگذر خوبصورتی کے ساتھ ہو یعنی اخلاقی خوبی کے ساتھ۔

۸۷۔ اللہ کی ان دو صفتوں کے ذکر سے مقصود قیامت کے متعلق منکرین کے اعتراض کو رد کرنا اور یہ ثابت کرنا ہے کہ قیامت کا وقوع ہرگز ناممکن نہیں۔ یہ کائنات اللہ کی اس صفت کا مظہر ہے کہ وہ زبردست تخلیقی قوت رکھتا ہے۔ اس لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور عالم آخرت کو برپا کرنا اس کے لئے ہرگز مشکل نہیں۔ پھر جو خالق ہو اپنی مخلوق سے بے خبر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ بات کہ خدا خالق بھی ہے اور علیم (علم والا) بھی، ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اور جب وہ علیم ہے تو اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ اربوں اور کھربوں افراد کا قیامت کے دن حساب لے۔

۸۸۔ سبعاً من المثانی کے معنیٰ ہیں ''سات دہرائی جانے والی آیتیں''۔ عربی کی قدیم اور مستند لغت صحاح جوہری میں مثانی کے معنیٰ دہرائے جانے والی کے

بیان کئے گئے ہیں: وَ تُسَمَّی فاتحۃالکتابِ مثانی لِاَنَّھاتُثنیَ فِي کُلِّ ر کعۃٍ (الصحاح ص ۲۲۹۶) ''فاتحۃ الکتاب کو مثانی کہا جاتا ہے کیوں کہ اسے ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے۔''

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے:

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اُم القرآن ھی السبع المثانی و القرآن العظیم۔ (بخاری کتاب التفسیر)

'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ام القرآن'' ہی سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم بھی۔''

سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور نماز کا نہایت مہتم بالشان جزء ہے، چنانچہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ لازماً پڑھی جاتی ہے۔ سبعاً مِن المثانی چند لفظوں میں سورۂ فاتحہ کا وہ تعارف ہے، جو اس کی کثرت قرأت کے پہلو کو پیش کرنے کے علاوہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اس میں معانی اور روحانی دولت کے سات سمندر پنہاں ہیں۔ پھر لعل و گہر والی اس افتتاحی سورہ کے ساتھ قرآن کا بیش بہا خزانہ بھی عطاء کیا گیا ہے۔ اس روحانی دولت کے مقابلہ میں اس مادی دولت کی کیا حقیقت ہے جو خدانا شناس لوگوں کے حصہ میں آئی ہے اور جس کے ساتھ ہزاروں آزمائشیں لگی ہوئی ہیں۔؟

۸۹۔ آیت میں اگر چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ ہدایت دی گئی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے، تو اس دولتِ دنیا پر نگاہ غلط بھی نہ ڈالو جو دنیا پرستوں کو عطا ہوئی ہے۔ لیکن بالواسطہ یہ ہدایت ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے قرآن کی نعمت پائی ہے۔

۹۰۔ یعنی یہ دولت کے پجاری جب اسی میں مگن رہنا چاہتے ہیں۔ اور اس نعمت کی قدر کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جو قرآن کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے تو ان کے حال پر افسوس کرنے سے کیا فائدہ۔ وہ اسی لائق ہیں کہ اس عظیم نعمت سے محروم رہیں۔

۹۱۔ یعنی ان لوگوں کی قدر کرو جو دولتِ دنیا سے خواہ محروم ہوں لیکن جنہوں نے دولتِ ایمان پائی ہے۔ ایسے ہی لوگ تمہاری رحمت و شفقت کے مستحق ہیں۔

۹۲۔ اشارہ یہود کی طرف ہے جنہوں نے اللہ کی کتاب کے حصے بخرے کر دئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کوئی پہلی کتاب نہیں ہے جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہو۔ بلکہ اس سے پہلے بھی کتابیں بھیجی جاتی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح نسل ابراہیمی کی ایک شاخ بنی اسرائیل پر کتاب نازل کی تھی، اسی طرح اس نے اس کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل پر کتاب نازل کی ہے۔ اور چونکہ بنی اسرائیل نے دین کو اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رکھا، اس لئے قرآن کا نزول ضروری ہوا۔ تا کہ لوگوں پر اللہ کا اصل دین واضح ہو اور اس کی تعلیمات صحیح شکل میں سامنے آئیں۔

عربوں کی تجارتی شاہراہ

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ط

''اور یہ دونوں ہی (تباہ شدہ) بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔''

(سورۂ حجر آیت ۷۹)

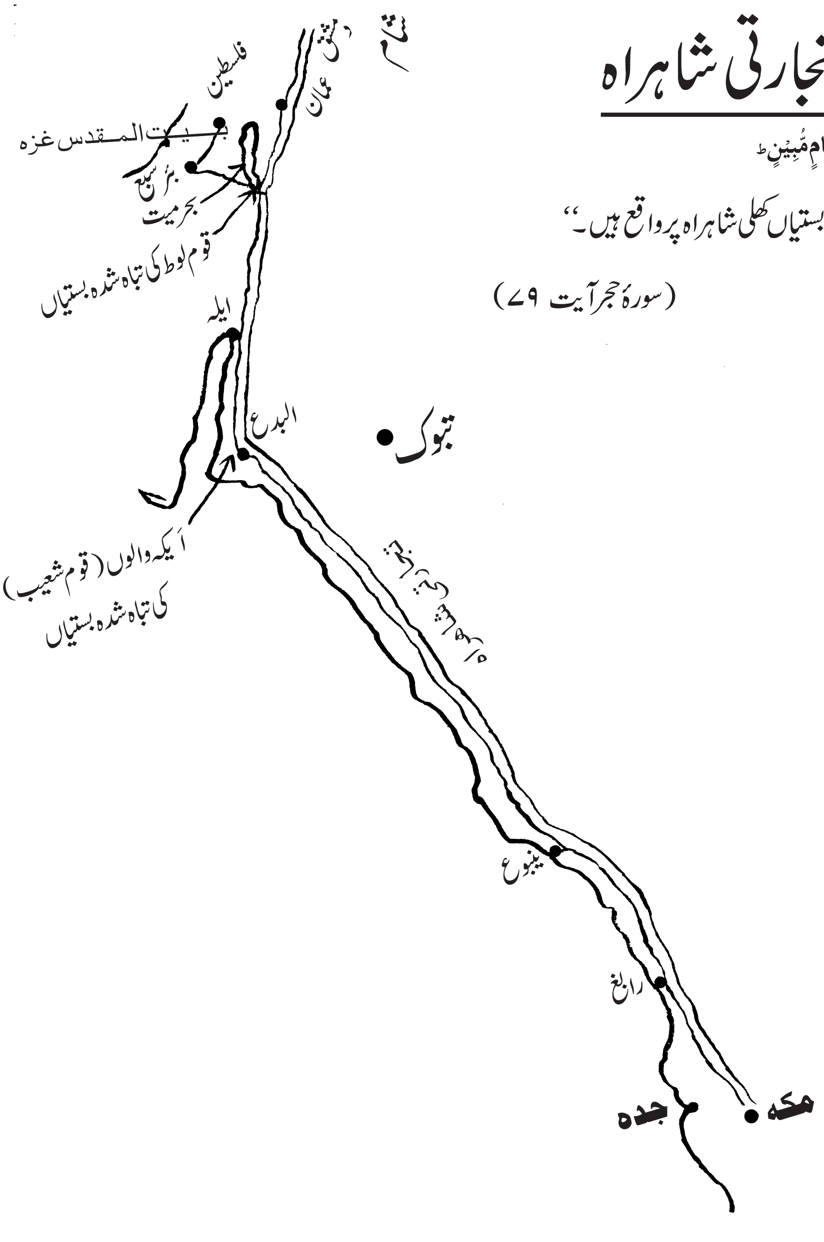

آثار ثمود

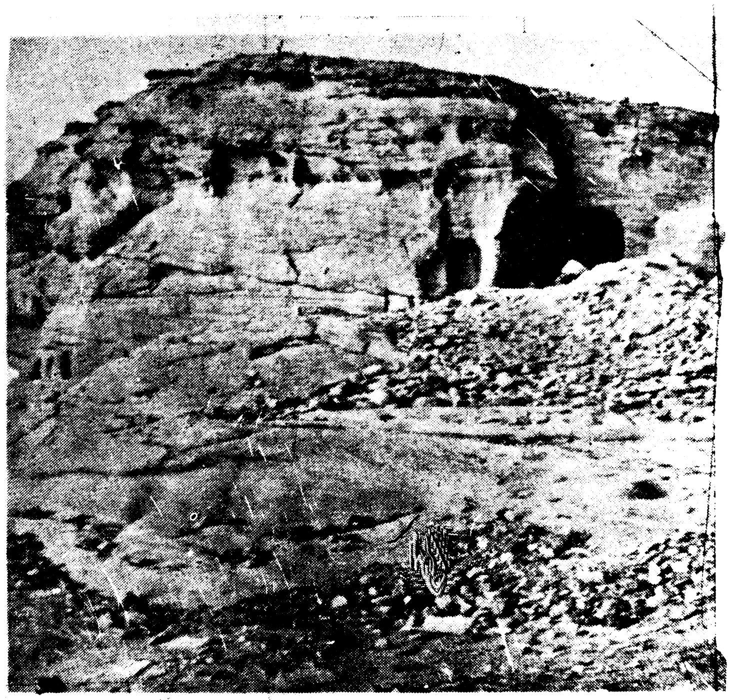

ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ کہتے ہیں ان سے تمہارا دل تنگ ہوتا
ہے۔تو چاہئے کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرو،اس کی حمد کے ساتھ
اورسجدہ گذار بنو۔اوراپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔یہاں
تک کہ وہ گھڑی آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔(القرآن)

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱ جنہوں نے (اپنے) قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ ۹۳؎

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲ تو تمہارے رب کی قسم ۹۴؎، ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳ ان کاموں کے بارے میں جو یہ کرتے رہے ہیں۔ ۹۵؎

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴ تو جو کچھ تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے علانیہ سنا دو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو۔ ۹۶؎

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵ ان مذاق اڑانے والوں کے مقابلہ میں ہم تمہارے لئے کافی ہیں۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶ جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بنا رکھے ہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ۹۷؎

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ کہتے ہیں ان سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ ۹۸؎

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸ تو چاہئے کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرو، اس کی حمد کے ساتھ اور سجدہ گذار بنو۔ ۹۹؎

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

۹۹ اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو ۱۰۰؎۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آ جائے جس کا آنا یقینی ہے۔ ۱۰۱؎

۹۳۔ اپنے قرآن سے مراد یہود کی اپنی کتاب تورات ہے۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اس کتاب میں ردوبدل کیا، اس کی ترتیب بدل دی، اس کے معنیٰ بدل دئے، اس میں اپنی تشریحات ملا دیں، اس کے ایک حصہ کو اس طرح چھپاتے رہے، کہ وہ رفتہ رفتہ غائب ہی ہو گیا۔ اور جو حصہ ظاہر کیا اس کے بھی بعض احکام کو مانا اور بعض سے کھلی روگردانی کی۔

۹۴۔ رب کی قسم اس کی عظمت اور تقدس کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے کلام میں تاکید کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔

۹۵۔ یعنی اللہ کے دین اور اس کی کتاب کے ساتھ جو معاملہ انہوں نے کیا ہے، اس کے بارے میں قیامت کے دن لازماً ان سے باز پرس ہوگی۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ وہ چونکہ خدا اور اس کی کتاب کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس لئے یونہی چھوڑ دئے جائیں گے۔ بلکہ ان کے دعوے کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔

۹۶۔ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں توحید کی دعوت پیش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفتوں کے طوفان سے گذرنا پڑ رہا تھا اور اس مخالفت نے مذاق کی شکل اختیار کرلی تھی۔ لیکن نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ ان کی پروا کئے بغیر ان باتوں کو علانیہ پیش کریں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ماحول کتنا ہی مشرکانہ اور کافرانہ کیوں نہ ہو، اہل ایمان کو دین کی دعوت اور اس کی تعلیمات کو پیش کرنے کے سلسلہ میں پس وپیش نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس بات کی قطعاً پروا نہیں کرنا چاہئے کہ بت پرستی اور شرک کے خلاف کچھ کہنے سے مشرکین ناک بھوں چڑھائیں گے۔

۹۷۔ یعنی عنقریب ان کے ان کرتوتوں کا انجام ان کے سامنے آجائے گا۔ اس وقت وہ جان لیں گے کہ پیغمبر اور اسکی دعوت کا مذاق اڑا کر انہوں نے کس طرح اپنے کو تباہی کے راستہ پر ڈالا۔

۹۸۔ یعنی اے پیغمبر یہ لوگ تمہارا جو مذاق اڑاتے ہیں وہ تمہارے لئے قلبی تکلیف کا باعث ضرور ہے، لیکن تمہیں اس پر صبر کرنا چاہئے۔

۹۹۔ یہ توحید پر قائم رہنے اور اللہ کی عبادت میں سرگرم رہنے کی تلقین ہے۔

۱۰۰۔ یہاں عبادت سے مراد جیسا کہ اوپر کی آیت میں بیان ہوا ہے، خاص طور سے حمد وتسبیح اور سجدہ والی عبادت ہے۔ مکی دور میں اس کا اہتمام کرنے کی جس طرح تاکید کی گئی، اس سے پرستش کی اولیت اور دین میں اس کی اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے۔

۱۰۱۔ یعنی موت کی گھڑی جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

حدیث میں بھی موت کو یقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ عثمان بن مظعون کی موت پر نبی ﷺ نے فرمایا:

اَمَّا ھُوَ افقد جَاءَہُ الیَقِینُ "عثمان بن مظعون کے پاس یقین آپہنچا۔"

(بخاری کتاب الجنائز)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک خدائے واحد کی عبادت پر قائم اور سرگرم رہو۔

❑❑❑❑❑❑

تفسير
سورة النحل

۱۶۔النحل

نام آیت ۶۸ میں اللہ کی ربوبیت کی نشانی کے طور پر نحل، یعنی شہد کی مکھی کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'النحل' قرار پایا ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون شرک کے باطل ہونے اور توحید کے برحق ہونے کو واضح کرنا اور اس سلسلہ میں اللہ کی نعمتوں کا احساس دلانا ہے، تاکہ وہ اپنے حقیقی رب اور محسن کو پہچانے۔سورہ کا مرکزی مضمون یہی ہے۔البتہ اس وقت کے حالات اور ضرورت کے پیش نظر دوسری باتیں بھی بیان ہوئی ہیں۔مثلاً عذاب کیلئے جلدی مچانے پر تنبیہ کی گئی ہے اور ان شبہات کا جواب دیا گیا ہے جو منکرین پیش کررہے تھے۔

نظم کلام آیات ۱ تا ۳ تمہیدی ہیں جن میں مشرکوں کو جھنجھوڑتے ہوئے، وحی کی غرض اور کائنات کی تخلیق کی مقصدیت کو واضح کیا گیا ہے۔

آیت ۴ تا ۱۸ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوا ہے جو انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔اور اپنے محسن حقیقی کا احساس دل میں پیدا کرتے ہیں۔

آیت ۱۹ تا ۳۲ میں شرک کی تردید کرتے ہوئے مشرکین کے انجام بد کو اور متقین کے انجامِ خیر کو پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۳۳ تا ۴۰ میں منکرین کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

آیت ۴۱ اور ۴۲ میں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو خوشخبری دی گئی ہے۔

آیت ۴۳ تا ۴۷ میں نبوت کے تعلق سے ضروری وضاحت اور منکرین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

آیت ۴۸ تا ۶۰ میں توحید کے دلائل اور شرک کی تردید کی گئی ہے۔

آیت ۶۱ تا ۶۵ میں منکرین کے بعض شبہات کی تردید کی گئی ہے۔

آیت ۶۶ تا ۸۳ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرکے مشرکین کے ضمیر کو بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے۔

آیت ۸۴ تا ۸۹ میں آگاہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن، جب مشرکوں اور کافروں کی پیشی ہوگی تو ان کا کیا حال ہوگا۔

آیت ۹۰ تا ۹۷ میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی، برائیوں سے پرہیز اور پاکیزہ زندگی گذارنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

آیت ۹۸ تا ۱۰۵ میں شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت ہے۔کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ لوگ قرآن کو صحیح طریقہ پر سمجھیں۔اس لئے وہ شکوک وشبہات پیدا کرتا رہتا ہے۔منکرین کے شبہات دراصل شیطان ہی کی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہیں۔

آیت ۱۰۶ تا ۱۱۱ میں مظلوم اہل ایمان کو تسلی اور ان پر ظلم ڈھانے والوں کو وعید ہے۔

آیت ۱۱۲ تا ۱۱۴ میں اہل مکہ کے لئے ایک بستی کی مثال ہے جس نے ناشکری کی۔اور اللہ کا شکر گذار بننے کی ہدایت ہے۔

آیت ۱۱۵ تا ۱۱۹ میں یہ ہدایت ہے کہ شرک اور وہم پرستی میں مبتلا ہوکر اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ۔

آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳ میں ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کے اس پہلو کو پیش کیا گیا ہے کہ وہ موحد اور شکر گذار تھے۔مشرک ہرگز نہ تھے۔

آیت ۱۲۴ میں وضاحت کی گئی ہے کہ سبت منانے کا حکم صرف یہود کو ان کے اختلاف میں پڑنے کی وجہ سے دیا گیا تھا۔

آیت ۱۲۵ تا ۱۲۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو کچھ ہدایتیں دی گئی ہیں۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ①

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ③

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ④

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ
وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤

وَ لَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۪⑥

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ
الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۙ⑦

وَّ الْخَیْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِیْنَةً ؕ
وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧

وَ عَلَی اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِیْنَ ۠⑨

۱۶- سُورۃُ النَّحل

آیات ۱۲۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ آ گیا اللہ کا حکم اس کیلئے جلدی نہ مچاؤ ۱؎ ۔ وہ پاک اور بلند ہے اس سے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۲؎

۲ وہ فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے جن بندوں پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے ۳؎ ، کہ لوگوں کو خبر دار کرو کہ میرے سوا کوئی الٰہ (خدا معبود) نہیں ہے لہٰذا مجھ سے ڈرو۔ ۴؎

۳ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کی بنیاد پر پیدا کیا ہے ۵؎ ۔ وہ برتر ہے اس سے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

۴ اس نے انسان کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا پھر دیکھو وہ صریح جھگڑالو بن گیا۔ ۶؎

۵ اس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم پوشاک بھی ہے ۷؎ ، اور دوسرے فائدے بھی ۸؎ ۔ نیز ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ ۹؎

۶ اور ان میں تمہارے لئے رونق ہے جب شام کو انہیں واپس لاتے ہو اور جب صبح کو چرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہو۔ ۱۰؎

۷ وہ تمہارے بوجھ ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے تھے ۱۱؎ ۔ بلا شبہہ تمہارا رب بڑی شفقت والا رحمت والا ہے۔ ۱۲؎

۸ اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو ۱۳؎ اور وہ تمہارے لئے رونق بنیں۔ اور وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔ ۱۴؎

۹ اور اللہ تک سیدھی راہ پہنچتی ہے ۱۵؎ ۔ اور ایسی بھی راہیں ہیں جو ٹیڑھی ہیں ۱۶؎ ۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ ۱۷؎

۱؎ مشرکین جس چیز کے لئے جلدی مچا رہے تھے۔وہ عذاب تھا۔وہ کہتے تھے کہ پیغمبر جس عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہے ہیں وہ آ کیوں نہیں جاتا؟
وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ۔وَ لَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ۔(العنکبوت:۵۳)
''وہ عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں اگر اس کا وقت مقرر نہ کیا گیا ہوتا تو عذاب ان پر ٹوٹ ہی پڑتا۔''
اس لئے آیت میں اَمْرُ اللہ (اللہ کے حکم) سے مراد عذاب الٰہی ہی ہے۔اور واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ جو لوگ عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں،ان کے لئے عذاب مقدر ہو چکا۔اور وہ وقت قریب آ لگا ہے جب کہ یہ اس کا مزہ چکھیں گے۔چنانچہ چند سال کے اندر اندر ان لوگوں کا صفایا کر دیا گیا جو اخیر وقت تک شرک پر قائم رہے۔یہاں تک کہ حجۃ الوداع (۹ھ) کے موقع پر نہ صرف یہ کہ مکہ میں کوئی مشرک باقی نہیں رہا تھا،بلکہ پورے عرب سے مشرکین کا صفایا ہو گیا تھا۔گویا مسلمانوں کی تلوار مشرکین پر اللہ کا عذاب بن کر چلی۔یہ عذاب پچھلی قوموں کے عذاب سے ضرور مختلف تھا،لیکن رسول کے مخالفین کو بہر صورت تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔
اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موت نہایت قریبی چیز ہے۔اور جب ایک مشرک اور کافر کو موت آتی ہے،تو عذاب کے فرشتے نمودار ہو جاتے ہیں اور اس کی روح عالم برزخ میں عذاب کا مزا چکھتی رہتی ہے۔پھر قیامت کے دن۔۔جو بہت جلد قائم ہونے والا ہے۔ایسے لوگوں کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔غرضیکہ مشرکوں اور کافروں کے لئے اللہ کا عذاب ہر لحاظ سے قریب ہی ہے۔
۲؎ یعنی اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ اس کی خدائی میں کوئی شریک ہو۔اور جب یہ لوگ اس کی طرف ایسی بات منسوب کر رہے ہیں جو اس کی شان سے فروتر ہیں،تو اس کی طرف سے وہ سزا ہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔
۳؎ 'روح' سے مراد وحی ہے جو اللہ تعالیٰ پیغمبروں پر نازل فرماتا ہے۔چونکہ یہ روح کی طرح پیغمبر کے قلب پر نازل ہوتی ہے،نیز اس سے انسان کو زندگی ملتی ہے۔اس لئے اسے روح (Spirit) سے تعبیر کیا گیا ہے۔
آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ نبوت ایک عطیہ خداوندی ہے،جس سے وہ اپنے ان بندوں کو نوازتا ہے،جن کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔بالفاظ دیگر نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ انسان کوشش کر کے اسے حاصل کر سکے۔بلکہ یہ بالکل وہبی یعنی خدا کی طرف سے بخشی جانے والی چیز ہے جس میں انسانی کوشش کا کوئی دخل نہیں۔
۴؎ یعنی جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے،توحید ہی کے پیغام کو لے کر آئی ہے۔اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم توحید ہی کی تعلیم تھی۔اور تقویٰ (خدا خوفی) ہی کی بنیاد پر انہوں نے زندگی گذارنے کی ہدایت کی تھی۔
واضح ہوا کہ جن مذاہب میں بھی شرک کی تعلیم پائی جاتی ہے،اس کی نسبت کسی نبی کی طرف ہرگز صحیح نہیں ہے۔اور نہ ایسی چیز ''وحی'' یا خدا کا کلام ہو سکتی ہے۔
۵؎ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۱۲۴؎ میں گذر چکی۔
۶؎ یعنی انسان اپنی اس حقیقت کو بھول گیا کہ وہ کیسی حقیر چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔اور بحث کرنے لگا کہ دوسری زندگی کس طرح ممکن ہے۔اگر وہ اپنی پہلی پیدائش پر غور کرتا تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی کہ،جو خدا پانی کے ایک حقیر قطرے سے اعلیٰ صلاحیتوں والا انسان پیدا کر سکتا ہے،وہ یقیناً اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔اور اس حقیقت کو اگر انسان نے پا لیا تو وہ خدا کے مقابلہ میں بحث کرنے اور جھگڑے کی جسارت ہرگز نہ کرتا۔
۷؎ یعنی ان کے بالوں اور اُون سے تم گرم پوشاک بنا لیتے ہو۔
۸؎ یعنی بعض سواری کے کام آتے ہیں اور بعض ہل چلانے کے۔پھر ان سے دودھ بھی حاصل ہوتا ہے اور ان کا چمڑا بھی کام آتا ہے۔اس طرح ان

سے گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۹۔ یعنی ان کا گوشت تمہارے لئے غذا کا کام دیتا ہے۔

۱۰۔ چونکہ ان چارپایوں سے طرح طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور وہ افزائش نسل کے لئے بھی پالے جاتے ہیں، جو حصول دولت کا ایک ذریعہ ہے اس لئے وہ منظر انسان کی نگاہ میں کھبنے لگتا ہے، جب وہ ان کو چرا کر واپس لاتا ہے یا چرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

واضح رہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں عربوں میں چوپائے پالنے کا رواج تھا نیز یہ ان کا پیشہ بھی تھا۔اس لئے قرآن نے اس نعمت کا احساس دلانے کے لئے اس کی منظر کشی کی ہے۔

۱۱۔ اس زمانے میں اونٹ اور بیل بار برداری کا بہت بڑا ذریعے تھے۔

۱۲۔ اللہ شفقت والا ہے اس لئے اس نے ایسی چیزیں انسان کے لئے پیدا کیں، جو اس کو مشقت اور تکلیف سے بچانے والی ہیں۔اور وہ مہربان ہے اس لئے انسان کو طرح طرح کی نعمتیں عطاء کیں۔

۱۳۔ اوپر ان مویشیوں کا ذکر تھا جن کو عربی میں ''انعام'' کہا جاتا ہے۔یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ان کے بارے میں فرمایا کہ ''مِنْهَا تَاكُلُوْنَ'' ان سے تم غذا حاصل کرتے ہو۔لیکن یہاں گھوڑے، خچر اور گدھے کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس لئے پیدا کئے گئے ہیں تا کہ تم ان پر سوار ہو۔اس لئے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ وہ جانور کھانے کے لئے نہیں ہیں، اور یہ سواری کے لئے۔انسانی طبیعتیں بھی گھوڑے، خچر اور گدھے کے کھانے سے مانوس نہیں ہیں۔

۱۴۔ غالباً اشارہ ان قوتوں کی طرف ہے جو اس وقت انسان کے علم میں نہیں تھیں۔مگر بعد کے انکشافات سے ان ہی کی بدولت انسان کو حمل و نقل کے جدید ذرائع مہیا ہوئے۔مثلاً بھاپ، پٹرول، بجلی وغیرہ جن سے موٹریں، ریل، ہوائی جہاز وغیرہ چلتے ہیں۔اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اور کیا چیزیں ہیں جو اس نے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی ہیں۔

۱۵۔ یعنی عقیدہ و عمل کی جو سیدھی راہ ہے وہی اللہ تک پہنچنے والی ہے۔انسان اسی پر چل کر اللہ کو پا سکتا ہے اور اس کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔اس سیدھی راہ کا اصطلاحی نام اسلام ہے۔جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے۔

اوپر کی آیت میں اللہ کی اس نعمت کا ذکر ہوا تھا کہ اس نے سواری کے لئے جانور پیدا کر دیئے۔اس سے راہ اور منزل کا تصور خود بخود ابھر رہا تھا۔اس موقع کی مناسبت سے قاری کے ذہن کو معنوی راہ اور حقیقی منزل کی طرف موڑ دیا گیا کہ توحید ہی کی راہ سیدھی راہ ہے۔اور وہی خدا تک پہنچتی ہے۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کی آیات کس طرح باہم مربوط ہیں۔چونکہ قرآن کے پیش نظر فکر و ذہن کی تعمیر ہے اس لئے وہ موقع کی مناسبت سے بلند حقیقتوں کی طرف ذہن کو موڑتا ہے۔اور اس پہلو سے آیات کے درمیان گہرا ربط ہوتا ہے۔

۱۶۔ یعنی توحید جو اسلام کی راہ ہے۔اس کے علاوہ دوسری راہیں سیدھی نہیں، بلکہ ٹیڑی ہیں۔وہ ہرگز خدا تک نہیں پہنچتیں۔کوئی اس خام خیالی میں نہ رہے کہ کسی بھی راہ کو اختیار کر کے آدمی خدا کو پا سکتا ہے۔اور آدمی توحید کو مانے یا شرک کرے اس سے نہ غایت بدلتی ہے اور نہ نتائج کا فرق واقعی ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں مصلحت پرست لوگ سیاسی مقاصد کے پیش نظر شرک اور بت پرستی کی راہ کو بھی توحید کی راہ کے برابر، اور اسلام کے ساتھ مشرکانہ اور باطل مذاہب کو بھی یکساں قرار دینے کی باتیں بڑے دلفریب انداز میں پیش کر رہے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں'' تمام مذاہب کی روح ایک ہے گو اس کی شکلیں مختلف ہیں۔بالکل اسی طرح جیسے کہ پانی کی حقیقت ایک ہے جو کنویں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔چشموں سے بھی فراہم ہو سکتا ہے اور دریاؤں کی

گھاٹوں سے بھی مہیا کیا جا سکتا ہے۔" (گگن کا مذاہب عالم نمبر ص ۶۴) "دنیا کے تمام عقیدے ایک ہی درخت کی شاخوں کی طرح ہیں اور ہر شاخ ایک دوسرے سے جدا ہے اور اپنی امتیازی شان رکھتی ہے مگر ان شاخوں کا منبع یا مرکز ایک ہی ہے۔" (حوالہ مذکور ص ۸۱۸) یہ دونوں مثالیں گمراہ کن ہیں کیوں کہ جس پانی میں شرک کی نجاست مل گئی ہو وہ توحید کے چشمۂ صافی کی طرح کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو درخت کڑوے کسیلے پھل دیتا ہو وہ اس درخت کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو میٹھے پھل لاتا ہے؟

۱۷۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۲۷۱۔

❑❑❑❑❑❑

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰

۱۰ وہی ہے جس نے آسمان (اوپر) سے پانی برسایا جو تمہارے پینے کے بھی کام آتا ہے اور اس سے نباتات بھی اگتی ہیں جن میں تم (مویشیوں کو) چراتے ہو۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ
وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱

۱۱ وہ اس سے تمہارے لئے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔۱۸؎

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ
مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲

۱۲ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۱۹؎۔ اور تارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں ۲۰؎۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں۔۲۱؎

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳

۱۳ اور زمین میں بھی جو رنگ برنگ کی چیزیں پیدا کیں اس میں بھی ان لوگوں کیلئے بڑی نشانیاں ہے جو یاددہانی حاصل کرنیوالے ہیں۔۲۲؎

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا
طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ
وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴

۱۴ وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت (نکال کر) کھاؤ۲۳؎۔ اس سے زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو ۲۴؎۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ یہ اس لئے ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو ۲۵؎۔ اور اس کے شکرگذار بنو۔

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا
لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵

۱۵ اور اس نے زمین میں پہاڑ قائم کئے کہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے ۲۶؎۔ اس نے دریا جاری کئے اور راستے نکال دیئے۔ ۲۷؎ تاکہ تم راہ پاؤ۔۲۸؎

وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶

۱۶ اور اس نے دوسری علامتیں بھی رکھیں ۲۹؎۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ پاتے ہیں۔۳۰؎

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۷

۱۷ پھر کیا جو پیدا کرتا ہے وہ ان کی طرح ہے، جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے؟ ۳۱؎ کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے!

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸

۱۸ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے ۳۲؎۔ بلاشبہ اللہ بہت بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔۳۳؎

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝۱۹

۱۹ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔۳۴؎

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ
شَـيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۲۰

۲۰ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کو پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود مخلوق ہیں۔۳۵؎

۱۸۔ یعنی روزمرہ کی زندگی میں انسان کھانے پینے کی جن نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ان پر اگر وہ غور کرے تو اپنے رب کو پہچان لے۔جس نے اسے پیدا کیا اور جس نے طرح طرح کی نعمتوں سے اسے نوازا ہے۔وہی اس کا حقیقی محسن ہے۔

آج کا انسان اپنی قوتِ فکر کو یہ جاننے کے لئے تو استعمال کرتا ہے کہ کھانے کی فلاں چیز میں کس قسم کے وٹامن (Vitamin) ہیں اور کیلریز (Calories) کی کتنی مقدار پائی جاتی ہے۔لیکن یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ یہ چیزیں کس کی بخشی ہوئی ہیں؟اور اس بخشش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ہستی کے بارے میں اس کے جذبات کیسے ہونے چاہئیں؟اور اس کے ساتھ تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہئے جس نے یہ چیزیں اسے بخشی ہیں؟انسان جب اپنی قوت فکر کو اس مقصد کے لئے استعمال نہیں کرتا،تو وہ محض معاشی حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔

۱۹۔ مسخر کر رکھا ہے۔یعنی اپنی قدرت قاہرہ سے ان کو ایسا بنا دیا ہے کہ وہ تمہاری خدمت اور تمہیں نفع پہنچانے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ابراہیم نوٹ ۴۱۔

۲۰۔ تاروں کے چند فائدے تو بالکل ظاہر ہیں۔مثلاً اُن کا آسمان کی زینت بننا جس سے انسان کے ذوقِ جمال کی تسکین ہوتی ہے،ان کے طلوع و غروب سے اوقات کی تعیین میں مدد ملتی ہے،وہ سمت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں،چنانچہ صحرائی اور سمندری سفر میں ان کی افادیت بالکل ظاہر ہے۔ان فائدوں کے علاوہ وہ ہماری کس کس طرح خدمت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۱۔ یعنی انسان اگر عقل عام (Common Sense) ہی کو استعمال کرے تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا،کہ اس کے خالق نے نہ صرف زمین پر اس کے لئے دسترخوانِ نعمت بچھا دیا ہے،بلکہ آسمان میں بھی اس کیلئے بزم سجائی ہے۔اور اس کی خدمت کا بھرپور سامان کیا ہے۔یہ احساس جب انسان میں پیدا ہو جاتا ہے تو اس پر ہدایت کی راہ کھل جاتی ہے۔

۲۲۔ یعنی کیا یہ رنگ برنگ کی چیزیں جو زمین میں پھیلی ہوئی ہیں آرٹ کا بہترین نمونہ نہیں ہیں اور کیا اس سے تمہیں کوئی سبق نہیں ملتا؟سبق حاصل کرنے والے تو پتے پتے پر اس کے کاریگر کے ہاتھوں کا لکھا ہوا سبق پڑھ لیتے ہیں۔

۲۳۔ یعنی سمندر کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت قاہرہ سے انسان کے لئے نفع بخش بنا دیا ہے۔چنانچہ سمندر انسان کے لئے مچھلیوں کی شکل میں غذا فراہم کرتے ہیں۔

۲۴۔ یعنی،موتی،مرجان اور سیپ جن کے زیور عورتیں پہنتی ہیں،جو نوع انسانی ہی کی ایک صنف ہے۔اس لئے اللہ کا یہ احسان نوع انسانی پر ہے۔

۲۵۔ یعنی تجارتی سفر کر کے اپنی معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے جائز طریقے اختیار کرو۔

۲۶۔ زمین کا ۴/۳ حصہ سمندر سے ڈھکا ہوا ہے۔اور کرۂ زمین ہوا میں معلق ہے۔اس لئے عجب نہیں کہ جس طرح کشتی پانی میں ہچکولے کھاتی ہے اور اس میں بوجھ ڈال دینے سے ٹھہراؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے اسی طرح ابتداء میں زمین کی حالت بھی اضطراب کی رہی ہو اور اس میں پہاڑوں کے بوجھ ڈال دینے سے توازن کی صورت پیدا ہوگئی ہو۔

۲۷۔ مراد قدرتی راستے ہیں۔

۲۸۔ یعنی اپنی منزل کو پہنچ سکو۔

۲۹۔ یعنی ایسی علامتیں جن کو دیکھ کر مسافر اپنا راستہ پہچان سکیں اور اپنی منزل پر پہنچ سکیں۔

۳۰۔ تارے سمت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔اس لئے قدیم زمانہ میں مسافر ان کو دیکھ کر رہنمائی حاصل کرتے تھے۔موجودہ زمانہ میں بھی جہاز رانی (Nevigation) کے کام میں ان کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

۳۱۔ یعنی جب یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ساری نعمتیں اللہ ہی کی پیدا کردہ اور عطاء کردہ ہیں تو اس کا درجہ الٰہ کا درجہ ہوا۔لیکن جن کا تخلیق میں کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ خود مخلوق ہیں ان کا درجہ الٰہ کا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ سراسر نا معقول اور عدل وانصاف کے خلاف بات ہے کہ خالق اور مخلوق کو ایک ہی سطح پر رکھا جائے۔اور دونوں کے حقوق واختیارات یکساں درجے کے تسلیم کر لئے جائیں۔ یا خالق کا درجہ گھٹا کر اس کو مخلوق کی سطح پر لایا جائے۔مشرکین کی اصل گمراہی یہی ہے کہ وہ خالق اور مخلوق میں تمیز نہیں کرتے۔اور خالق کی صفات اور اس کے حقوق واختیارات میں مخلوق کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ بت پرستی ہو یا بزرگ پرستی سب اسی باطل عقیدہ کا نتیجہ ہیں۔

۳۲۔ اس کی تشریح سورۂ ابراہیم نوٹ ۴۳ میں گذر چکی۔

۳۳۔ اللہ بڑا بخشنے والا ہے اس لئے وہ تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ اس کی نعمتوں کے قدرداں بن کر اس کی بخشش کی طرف لپکو۔اور وہ بڑی رحمت والا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ تم اس سے بندگی کا تعلق قائم کر کے اس کی آغوش رحمت میں آجاؤ۔

۳۴۔ یہ تنبیہ ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو تو یاد رکھو، اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو اچھی طرح جانتا ہے۔اور ایک دن آنے والا ہے جب وہ یہ سب باتیں تمہارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔

۳۵۔ یہاں خاص طور سے مشرکین کے ان معبودوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ماضی کی شخصیتیں تھیں جیسا کہ بعد کی آیت سے واضح ہے۔

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ مگر جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار پر مصر ہیں اور وہ گھمنڈ میں پڑ گئے ہیں۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اُتاری ہے تو کہتے ہیں گذرے ہوئے لوگوں کے فسانے۔ تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی پورے پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ، جنہیں یہ علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں۔ تو دیکھو کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اٹھائیں گے! (القرآن)

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

٢١ وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ، اور انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ ۳۶؎

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾

٢٢ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ مگر جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار پر مصر ہیں اور وہ گھمنڈ میں پڑ گئے ہیں۔ ۳۷؎

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

٢٣ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

٢٤ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اُتاری ہے تو کہتے ہیں گذرے ہوئے لوگوں کے فسانے۔ ۳۸؎

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

٢٥ تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی پورے پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ، جنہیں یہ علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں ۳۹؎۔ تو دیکھو کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اٹھائیں گے!

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

٢٦ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی چالیں چلی تھیں مگر اللہ نے ان کی عمارت بنیاد سے اکھاڑ دی تو چھت اوپر سے ان پر آ گری ۴۰؎۔ اور عذاب ان پر اس راہ سے آیا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾

٢٧ پھر قیامت کے دن وہ انہیں رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم لڑتے تھے؟ ۴۱؎ (اس وقت) وہ لوگ جن کو علم عطا ہوا تھا پکار اٹھیں گے کہ آج رسوائی اور خرابی ہے کافروں کے لئے۔ ۴۲؎

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾

٢٨ ان کے لئے جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں، ۴۳؎ کہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کر رہے ہوتے ہیں ۴۴؎۔ اس وقت وہ عاجزی کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کر رہے تھے۔ کیسے نہیں؟ تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ۴۵؎

فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾

٢٩ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں۔ اسی میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے ۴۶؎۔ تو دیکھو کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا!

۳۶۔ مراد وہ گذری ہوئی شخصیتیں ہیں جن کو مشرکین حاجت روائی کے لئے پکارتے تھے۔ان سے فریاد کرتے، دعائیں مانگتے اور ان کو اللہ کے حضور اپنا سفارشی ٹھہراتے۔ یہاں ان کے اسی شرک کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اوّل تو زندہ ہی نہیں ہیں کہ تمہاری فریاد سن سکیں۔ کیوں کہ وہ کبھی کے دنیا سے رخصت ہو چکے۔ رہیں عالم برزخ میں ان کی روحیں تو یہ بھی نہیں جانتیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اور انہیں کب قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ اور یہ روحیں جب اپنا حال نہیں جانتیں تو تمہارے حال کو جاننے، تمہاری پکار کو سننے اور تمہاری حاجتوں کو پورا کرنے پر کس طرح قادر ہوسکتی ہیں۔؟ حاجت روائی کے لئے تو سب سے پہلے اس علم غیب کی ضرورت ہے جس کی بنا پر ہر ہر شخص کا حال معلوم ہو اور اس کی پکار سنی جائے۔ یہ علم اللہ کی خاص صفت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

وفات پائے ہوئے انسانوں کو خدا کی طرح حاضر و ناظر سمجھنا ایک اٹکل پچو بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور یہی شرک کی جڑ ہے۔

واضح رہے کہ مشرکین عرب اگر چہ زندگی بعد موت کے قائل نہ تھے۔لیکن جن گذری ہوئی شخصیتوں سے انہیں عقیدت تھی، ان کے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ ان کی روحیں خدائی نظام میں دخیل ہیں، وہ ہماری فریاد کو پہنچ سکتی ہیں، ہماری قسمتوں پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں اور ان کا واسطہ اور وسیلہ اختیار کر کے اللہ سے قریب ہوسکتے ہیں۔اس لئے حاجت روائی کے لئے ان کو پکارنے اور ان کی مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔مگر قرآن نے اس پورے تصور ہی کو باطل اور مشرکانہ قرار دیا۔ عام طور سے مفسرین نے اس آیت کو بتوں پر چسپاں کیا ہے لیکن آیت کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ خاص طور سے یہ الفاظ کہ ''انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔'' اس باب میں صریح ہیں اس سے مُراد انسان ہی ہوسکتے ہیں نہ کہ بت اس لئے اس کا مفہوم متعین کرنے میں کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۷۔ یعنی خدا کا ایک ہونا تو ایک واضح حقیقت ہے۔لیکن چونکہ توحید کو ماننے سے آخرت کو ماننا لازم آتا ہے اس لئے وہ لوگ اس کو کسی طرح قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جو دنیا میں آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اور باطل پرستی کے نتیجہ میں ان کی نفسیات ایسی بن گئی ہیں کہ وہ حق کے آگے جھکنے کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔

۳۸۔ قرآن میں حق و باطل کی کشمکش کی تاریخ اور گذری ہوئی قوموں کے عبرت ناک واقعات بیان ہوئے ہیں۔اس نے ذہنوں میں ایک زلزلہ تو پیدا کر ہی دیا تھا اسلئے لوگ اپنے سرداروں سے پوچھتے کہ یہ قرآن کیسا کلام ہے۔ وہ بلا تامل کہہ دیتے کہ یہ گذشتہ قوموں کے محض افسانے ہیں۔حقیقت کچھ نہیں۔

۳۹۔ یعنی یہ سردار اور لیڈر جو عوام کو گمراہ کر رہے ہیں، قیامت کے دن نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، بلکہ ساتھ ہی ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ انہیں اٹھانا پڑے گا جنہیں انہوں نے گمراہ کیا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ومن دعا الی ضَلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہٗ لا ینقص ذلک من آثامھم شیئاً۔ (مسلم)

''اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اس پر گناہ کا بار اسی طرح ہوگا جس طرح کہ گمراہی کو قبول کرنے والوں پر ہوگا بغیر اس کے کہ انکے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔''

اور ''علم کے بغیر'' کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور مذہب کے بارے میں یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ نری جہالت کی باتیں ہیں۔علم حق کی روشنی انہیں حاصل ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے خدا کے بارے میں وہی بات علم پر مبنی ہوسکتی ہے جو خدا نے بتلائی ہو، نہ کہ وہ جو آدمی اپنی طرف سے اس کے بارے میں کہے۔ اور خدا کے بتلانے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں پر وحی بھیجتا ہے جو علم کا مخصوص ذریعہ ہے۔ اس لئے جو بات انبیاء علیہم السلام کے توسط سے ملتی ہے وہ ٹھوس علم پر مبنی ہوتی ہے۔

واضح ہوا کہ تمام مشرکانہ فلسفے اور ملحدانہ نظریات خواہ وہ کتنے ہی علمی رنگ میں پیش کئے گئے ہوں سراسر جہالت ہیں۔علم حقیقی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

۴۰ ۔ یعنی ایسی کتنی قومیں اس سے پہلے گذر چکی ہیں، جنہوں نے اپنے رسولوں کے خلاف سازشیں کیں۔ مگر شرک اور کفر کی بنیاد پر جو نظام انہوں نے قائم کیا تھا رسول کی دعوت حق نے اس کی چولیں ہلا دیں۔ اور پھر جب اللہ کا فیصلہ نافذ ہوا تو یہ نظام جڑ بنیاد سے اکھڑ گیا۔ اور اس کے قائم کرنے والوں پر ایسی آفت ٹوٹ پڑی کہ بالکل تباہ ہو کر رہ گئے۔ شرک اور کفر کا یہ نتیجہ عملاً جس شکل میں رونما ہوا وہ ایک ایسا عذاب تھا جس نے ان کی بنائی ہوئی عمارتوں کو ان کا مدفن بنا دیا۔ مثال کے طور پر زلزلہ کے جھٹکے نے نیچے سے ان کی عمارتوں کی بنیادیں ہلا دیں۔ اور پھر چھت سمیت پوری عمارتیں ان کے رہنے والوں پر آگریں۔

۴۱ ۔ یعنی جن کو تم نے میری خدائی میں شریک ٹھہرایا تھا اور اس کے لئے تم نے بڑی بحثیں کھڑی کر دی تھیں، بتاؤ اب وہ کہاں غائب ہو گئے؟

۴۲ ۔ یعنی دنیا میں جن کو علم عطا ہوا تھا بالفاظ دیگر جنہوں نے اس علم سے استفادہ کیا تھا، جس کا اصل منبع وحی الٰہی ہے۔ وہ میدان حشر میں مشرکین کا یہ حال دیکھ کر محسوس کریں گے کہ مشرکین کے جس انجام کی خبر وحی الٰہی نے دی تھی وہ بالکل سامنے ہے۔ چنانچہ وہ پکار اٹھیں گے آج کافروں کو اپنے برے انجام تک پہنچنا ہے۔

آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل علم کو کس طرح اعزاز بخشے گا۔

۴۳ ۔ یہ کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت ہے کہ قیامت کے دن تو ان کا وہ انجام ہو گا جو اوپر بیان ہوا۔ لیکن گرفتار عذاب تو وہ اسی وقت ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کر لیتے ہیں۔

۴۴ ۔ یعنی شرک، کفر اور سرکشی کر کے وہ آپ اپنے اوپر ظلم ڈھاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کو جو توحید ہی سے آشنا ہے دباتے ہیں جس کے نتیجہ میں نفس کا نہ صرف نشو و نما رک جاتا ہے بلکہ وہ گھٹ کے رہ جاتا ہے۔

۴۵ ۔ یعنی موت کے فرشتوں کو دیکھتے ہی ان کے غرور کا نشہ اتر جاتا ہے۔ اور اپنی ساری بحثیں ختم کر کے تسلیم و اطاعت کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس وقت ان پر ایسا خوف طاری ہوتا ہے کہ وہ اپنے بُرے اعمال سے انکار کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن فرشتے ان کے اس جھوٹ کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے کہ تم جھوٹ بول کر چھوٹ جاؤ۔

۴۶ ۔ یعنی مشرکوں اور کافروں کو فرشتے موت کے وقت ہی یہ خبر دے دیتے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں داخل ہونا ہے اور اس عذاب میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔ یہ معاملہ موت کی سرحد شروع ہوتے ہی یعنی عالم برزخ میں پیش آتا ہے جسے حدیث میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اور جب اللہ سے ڈرنے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟ تو کہتے ہیں بہترین چیز اتاری ہے۔جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کے کام کئے ان کے لئے اچھائی ہی ہے۔اور آخرت کا گھر تو یقیناً بہتر ہے اور کیا ہی خوب ہے متقیوں کا گھر! ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے۔ان کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔اس طرح اللہ جزا دے گا متقیوں کو۔جن کو فرشتے پاکیزگی کی حالت میں وفات دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں سلام ہو تم پر۔داخل ہو جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے۔(القرآن)

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ
أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ
خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾

۳۰ اور جب اللہ سے ڈرنے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟ تو کہتے ہیں بہترین چیز اتاری ہے۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کے کام کئے ان کے لئے اچھائی ہی ہے ۴۷ ۔ اور آخرت کا گھر تو یقیناً بہتر ہے اور کیا ہی خوب ہے متقیوں کا گھر!

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا
مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾

۳۱ ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے۔ ان کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے ۴۸ ۔ اس طرح اللہ جزا دے گا متقیوں کو۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

۳۲ جن کو فرشتے پاکیزگی کی حالت میں وفات دیتے ہیں۔ ۴۹ وہ کہتے ہیں سلام ہو تم پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے۔ ۵۰ ۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ
كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ
اللَّهُ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾

۳۳ یہ لوگ اس کے سوا کس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آجائیں ۵۱ ۔ یا تمہارے رب کا حکم (فیصلہ) آجائے ۵۲ ۔ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾

۳۴ تو ان کے کرتوتوں کی سزا ان کو مل کر رہی اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اسی نے ان کو لپیٹ میں لے لیا۔ ۵۳ ۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ
مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ
كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾

۳۵ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرتے۔ نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسا ہی رویہ ان لوگوں نے بھی اختیار کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ۵۴ ۔ تو کیا رسولوں پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے علاوہ کوئی اور ذمہ داری ہے؟

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ
وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ
مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾

۳۶ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو ۵۵ ۔ پھر بعض کو اس نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی مسلط ہوئی ۵۶ ۔ تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

۴۷۔ تقویٰ اور نیکی کی روش اختیار کرنیوالوں کو جو نیک بدلہ دنیا میں ملتا ہے، وہ ہے پاکیزہ رزق، پاکیزہ زندگی، سکون قلب، حلاوت ایمان اور سچی عزت و سرفرازی۔

۴۸۔ انسان کو تکلیف اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہ اسے نہیں ملتا۔ اور دنیا میں یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان کی ہر خواہش پوری ہو۔ اور نہ دنیا میں کوئی انسان یہاں تک کہ بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایسا نہیں گذرا جس کی تمام خواہشیں پوری ہوئی ہوں۔ اگر ایسا ہوتو دنیا جنت بن جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس مقصد کے لئے بنایا ہی نہیں ہے۔ اس لئے کسی کا اس دنیا سے یہ توقع رکھنا کہ اس کی تمام آرزوئیں یہاں پوری ہو جائیں گی محض خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے آخرت میں جنت بنائی ہے، جس کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کی ہر خواہش پوری ہوگی، اس کی ہر امید بر آئے گی، اس کی ہر تمنا حقیقت کا روپ اختیار کرے گی، اس کے تمام ارمان نکلیں گے اور اس کی ہر آرزو پوری ہو کر رہے گی۔

۴۹۔ یعنی اس حال میں کہ ان کے نفس شرک، کفر، تکبر اور معصیت کی آلودگی سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔

۵۰۔ سچے متقیوں کو فرشتے جنت کی بشارت موت کے وقت ہی دے دیتے ہیں۔

۵۱۔ یعنی موت کے فرشتے۔

۵۲۔ یعنی عذاب۔

۵۳۔ یعنی جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے اس نے بُری طرح سے ان کو گرفت میں لے لیا۔

۵۴۔ یعنی یہ محض بہانے ہیں قبول حق کی ذمہ داری سے بچنے کیلئے۔ اور ایسے ہی بہانے اور ایسی ہی بحثیں ماضی کی گمراہ قومیں بھی کرتی رہی ہیں۔ اپنی گمراہی کی ذمہ داری اللہ پر ڈالنا ان ہی لوگوں کا کام ہے، جو خدا اور اس کے دین کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔

۵۵۔ یہاں طاغوت سے مراد بت ہیں۔ اور ان کو طاغوت اس لئے کہا گیا ہے کہ آدمی ان کی پرستش کر کے اللہ کا باغی اور سرکش بن جاتا ہے۔ گویا بت سرکشی یا بغاوت کا ذریعہ اور مظہر ہیں۔ اور طاغوت سے بچنے کا مطلب بتوں کی پرستش سے باز رہنا ہے۔ چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی۔ (زمر:۱۷)

''اور جنہوں نے طاغوت کی پرستش سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔''

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ (حج:۳۰) ''بتوں کی گندگی سے بچو''

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ (ابراہیم:۳۵) ''(ابراہیم نے دعا کی) مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔''

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بت پرستی، جو ہر زمانہ میں خدا سے بغاوت کا بہت بڑا ذریعہ رہی ہے، ہر رسول اپنی قوم کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتا رہا ہے۔ اور اس کی دعوت یہی رہی ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کرو۔

واضح رہے کہ طاغوت کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے اور معبودان باطل پر بھی، سرکش پیشواؤں اور لیڈروں پر بھی ہوتا ہے اور خدا کے قانون کے مقابلہ میں قانون سازی کرنے والوں اور خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے حاکموں پر بھی۔ مگر ہر اطلاق کا ایک محل ہے۔ یہاں محل کلام دلیل ہے کہ خاص طور سے بت پرستی سے بچنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔

(طاغوت کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۴۱۸۔ سورۂ نساء نوٹ ۱۱۸۔ اور ۱۴۳۔ نیز سورۂ مائدہ نوٹ ۱۸۰۔)

۵۶۔ یعنی ان رسولوں کی دعوت حق کے نتیجہ میں ایک گروہ نے بتوفیق الٰہی ہدایت پائی۔ اور دوسرا گروہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہا اور اس پر گمراہی بری طرح مسلط ہوگئی۔

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

۳۷ اگر تم ان کی ہدایت کے شدید خواہش مند ہو تو اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کو وہ گمراہ کر دیتا ہے ۵۷ ۔ اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ
بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

۳۸ اور یہ اللہ کی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اسے اللہ نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں؟ یہ تو ایک لازمی وعدہ ہے جو اس کے ذمہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۵۸

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا
أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

۳۹ اس لئے کہ یہ جس چیز میں اختلاف کر رہے ہیں اس کو وہ کھول دے اور کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ ۵۹

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾

۴۰ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمیں صرف یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ ۶۰

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا
ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ
الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

۴۱ جن لوگوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اللہ کی راہ میں ہجرت کی ۶۱ ۔ ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے ۶۲ ۔ اور آخرت کا اجر تو کہیں بڑھ کر ہے۔ اگر وہ جان لیتے۔ ۶۳

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

۴۲ جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ
الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾

۴۳ ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا، جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے ۶۴ ۔ اگر تم نہیں جانتے تو ''اہلِ ذکر'' (جن پر اس سے پہلے ذکر نازل ہوا تھا) سے پوچھ لو۔ ۶۵

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾

۴۴ ان (رسولوں) کو روشن نشانیوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ اور (اے پیغمبر) تم پر بھی ہم نے یہ ذکر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں پر وہ چیز واضح کر دو جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے ۶۶ ۔ اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ
أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾

۴۵ پھر کیا یہ لوگ جو بری چالیں چل رہے ہیں اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ایسی راہ سے ان پر عذاب آئے جس کا انہیں گمان بھی نہ ہو۔

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾

۴۶ یا ایسے وقت انہیں پکڑ لے کہ وہ چل پھر رہے ہوں۔ یہ لوگ اس کی گرفت سے ہرگز بچ نہیں سکتے۔

۵۷۔ یعنی جن لوگوں پر اللہ کا قانون ضلالت چسپاں ہوگیا ہے، ان پر ہدایت کی راہ کبھی کھلنے والی نہیں ہے، خواہ تم کتنی ہی شدت کے ساتھ ان کی ہدایت کی خواہش کرو۔

۵۸۔ یعنی اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں کو، جو مر چکے ہوں گے دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ جزا و سزا کا معاملہ پیش آئے۔ لیکن اکثر لوگ چونکہ اس وعدہ سے بے خبر ہیں اس لئے وہ بڑے وثوق کے ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں۔ مگر ان کی بے خبری سے حقیقت بدلنے والی نہیں ہے۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا واقعہ لازماً پیش آئے گا خواہ کوئی اس پر ایمان لائے یا نہ لائے۔

۵۹۔ یعنی خدا اور مذہب کے بارے میں جو اختلافات لوگوں کے درمیان پیدا ہو گئے۔ اور پھر عمل کی جو الگ الگ راہیں ہوگئیں، ان کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ سب کو دوبارہ زندہ کرکے اکٹھا کیا جائے۔ اور حقیقت کو بے نقاب کرکے ان کو دکھا دیا جائے۔ اور جو لوگ حقیقت کا انکار کرتے رہے ہیں ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تاکہ وہ اپنے کئے کا مزا چکھیں۔ یہ عدل و انصاف کا کھلا تقاضا ہے۔ اس لئے دوبارہ اٹھائے جانے کی خبر خلافِ عقل نہیں، بلکہ عین مطابق عقل ہے۔

۶۰۔ یہ منکرین کے اس شبہہ کا جواب ہے کہ بے شمار انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیوں کر ممکن ہے؟ فرمایا اللہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ وہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ اسی وقت وجود میں آجاتی ہے۔ ایسی زبردست قدرت رکھنے والی ہستی کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان بڑا تنگ نظر واقع ہوا ہے۔ وہ اللہ کی قدرت کو اپنے بنائے ہوئے پیمانہ سے ناپتا ہے اور جو کچھ موجود ہے اسی کو ممکن تصور کرتا ہے۔ وہ ایک غیر موجود چیز کو ممکن تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ اس کو وجود میں لانے کی خبر کائنات کا خالق دے رہا ہو۔

۶۱۔ اشارہ ہے ہجرت حبشہ کی طرف جو نبوت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے۔ مکہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اور ان پر مشرکین طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے، وہ ان کو ضمیر اور مذہب کی آزادی دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کے اسی ظلم ستم سے مجبور ہو کر اپنے دین کو بچانے کی خاطر مسلمانوں کی ایک تعداد نے حبشہ (ابی سینا) کو ہجرت کی۔

پہلا قافلہ تقریباً ۱۵/ افراد پر مشتمل تھا جس میں چار خواتین تھیں۔ بعد میں یہ تعداد ۸۳ تک پہنچ گئی۔

ہجرت حبشہ کی سعادت کرنے والوں میں حضرت عثمان، آپ کی اہلیہ رقیہ جو نبی ﷺ کی بیٹی تھیں، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم جیسی شخصیتیں شامل تھیں۔ (اس واقعہ کی تفصیل سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۳ تا ۳۶۴ میں بیان ہوئی ہے)

۶۲۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مہاجرین کے حق میں پورا ہوا۔ چنانچہ شاہ حبش نے جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا، ان کو اپنے ملک میں امن و امان سے رہنے کی اجازت دی۔ اور مشرکین کے جو لیڈر مکہ سے اس کو ورغلانے کے لئے حبش پہنچ گئے تھے ان کا کوئی اثر اس نے قبول نہیں کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ خود نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آیا۔ بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر گئے تو یہ مہاجرین بھی حبش سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ یہ ان کی دوسری ہجرت تھی۔ اور مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو وہ عزت و سرفرازی بخشی جس کا اس سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔

۶۳۔ یعنی اگر ان مہاجرین کو اس بات کا علم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیسا کچھ اجر تیار کر رکھا ہے، تو وہ ساری کلفتیں جو ہجرت کی راہ میں پیش آرہی ہیں کافور ہو جائیں۔

۶۴۔ متن میں لفظ ''رجالاً'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ مرد کے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ انسانوں میں سے مرد ہی رسول بنا کر بھیجے گئے۔

۶۵۔ مراد اہل کتاب ہیں جن پر ذکر یعنی یاد دہانی نازل ہوئی تھی۔ اس یاد دہانی کا جو حصہ ان کی کتابوں میں موجود ہے، وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے

کافی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو رسول بھی بھیجے گئے وہ سب آدمی ہی تھے۔کبھی کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ یہ ایک واضح تاریخی حقیقت ہے اور اگر اس سے کوئی شخص واقف نہیں ہے تو اہل کتاب سے پوچھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔

واضح رہے کہ اہل کتاب اس بات کے قائل تھے کہ رسول انسانوں ہی میں سے بنائے جاتے رہے ہیں۔مثال کے طور پر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام انسان ہی تھے۔ چنانچہ بائبل میں ان کے بچپن کے حالات بھی بیان ہوئے ہیں کہ انہوں نے کس طرح پرورش پائی ہے۔ اس لئے قرآن نے مشرکین کو جو نبی ﷺ کی رسالت کا اس بنا پر انکار کر رہے تھے کہ آپ انسان ہیں، ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کیا جو اہل کتاب کے ہاں مسلّم تھی۔

اس سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن کی جن باتوں کی تائید پچھلی کتابوں سے ہوتی ہے ان کا حوالہ دینے میں حرج نہیں ہے۔

بعض حضرات نے قرآن کے اس ارشاد سے کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔فقہی مسلک کی تقلید کو جائز ثابت کرنا چاہا ہے، حالانکہ اس آیت کا فقہی اور شخصی تقلید سے دور کا بھی تعلق نہیں۔قرآن نے ایک مسلمہ حقیقت کے سلسلہ میں جو تواتر سے ثابت تھی، اہل ذکر کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہا تھا تاکہ جو شبہ منکرین کو پیش آ رہا تھا وہ رفع ہو جائے۔لیکن مقلدین فقہاء کے استنباطی مسائل کے سلسلہ میں شخصی تقلید کے لئے اس کو دلیل بناتے ہیں، جب کہ استنباط کئے ہوئے مسائل میں خطا کا بھی امکان ہے۔اور ان کی حیثیت بہرحال مسلمات کی نہیں ہے۔علاوہ ازیں قرآن نے کسی تخصیص کے بغیر اہل ذکر سے پوچھنے کے لئے کہا ہے۔یعنی ٹکسالی عالم کی قید نہیں ہے بلکہ جاننے والا ہونا کافی ہے۔

۶۶؎ یعنی اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کو وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کر دو۔آگے آیت ۶۴ میں بھی نبی ﷺ کو اس طرح ہدایت دی گئی ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ۙ (نحل:۶۴)

''ہم نے یہ کتاب تم پر اسی لئے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کو ان کے اختلافات کی حقیقت کھول کر بیان کر دو۔''

اس لئے نبی ﷺ نے قرآن کی آیات، اس کی تعلیمات اور اس کے احکام کی جس طرح تشریح و توضیح کی ہے اور اس کے اسرار و حکم کو جس طرح کھولا ہے، وہ کتاب الٰہی کی مستند ترین تشریح تعبیر اور تفسیر ہے۔اور ہمارے لئے اس کے جاننے کا ذریعہ احادیث صحیحہ ہیں۔

❑❑❑❑❑❑

یا ایسے وقت انہیں پکڑ لے کہ وہ خوف کی حالت میں ہوں ۔فی الواقع تمہارا رب
بڑی شفقت والا رحمت والا ہے ۔کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا
کی ہے اس کا سایہ کس طرح اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے داہنے اور بائیں کرتا
ہے۔سب اس کے آگے پست ہیں۔آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں سب
اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔اور فرشتے بھی۔وہ سرکشی نہیں کرتے۔اپنے رب سے جو
ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔اور اللہ
نے فرمایا دو خدا نہ بناؤ۔خدا تو بس ایک ہی ہے۔لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو۔(القرآن)

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۷﴾

[۴۷] یا ایسے وقت انہیں پکڑ لے کہ وہ خوف کی حالت میں ہوں۔
۶۷۔ فی الواقع تمہارا رب بڑی شفقت والا رحمت والا ہے۔۶۸۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ
الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿۴۸﴾

[۴۸] کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس
کا سایہ کس طرح اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے داہنے اور بائیں گرتا
ہے ۶۹۔ سب اس کے آگے پست ہیں۔۷۰۔

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن
دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۹﴾

[۴۹] آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں سب اللہ ہی کو سجدہ
کرتے ہیں ۷۱۔ اور فرشتے بھی۔ وہ سرکشی نہیں کرتے۔

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿۵۰﴾

[۵۰] اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو حکم
دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔۷۲۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ
إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿۵۱﴾

[۵۱] اور اللہ نے فرمایا دو خدا نہ بناؤ۔ خدا تو بس ایک ہی ہے
۷۳۔ لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ
وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿۵۲﴾

[۵۲] اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کے لئے ہے
لازمی اطاعت ۷۴۔ پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اوروں سے ڈرو گے؟

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ
تَجْأَرُونَ ﴿۵۳﴾

[۵۳] تم کو جو نعمت بھی ملی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر تمہیں جب
کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے گڑگڑانے لگتے ہو۔۷۵۔

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾

[۵۴] پھر جب وہ تمہاری تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک
گروہ ۷۶۔ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔۷۷۔

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾

[۵۵] تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کریں۔ تو فائدہ
اٹھالو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ
لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿۵۶﴾

[۵۶] اور جو چیزیں ہم نے انہیں دی ہیں ان میں سے ایک حصہ وہ ان
(معبودوں) کے لئے مقرر کرتے ہیں جن کے بارے میں انہیں کوئی
علم نہیں ہے ۷۸۔ اللہ کی قسم! تم سے ان من گھڑت باتوں کے
بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾

[۵۷] یہ اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ پاک ہے وہ۔ اور ان
کے لئے وہ جو وہ چاہیں! ۷۹۔

۶۷ ۔ یعنی پہلے سے خوف وخطر کی حالت میں ہوں اور پھر خدا کی طرف سے گرفت ہو جائے۔ اور مصیبت پر مصیبت کا مزا نہیں چکھنا پڑے۔ ان آیات کے نزول کے چند سال بعد کچھ اس طرح کے حالات سے کفار مکہ کو دو چار ہونا پڑا۔ جنگ بدر ایک خوف وخطر کی حالت تھی جس میں مسلمانوں کی تلوار کافروں پر قہر الٰہی بن کر گری۔

۶۸ ۔ اللہ شفقت اور رحمت والا ہے اس لئے وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ بلکہ مہلت دیتا ہے تا کہ تم سنبھل جاؤ اور اس کی رحمت کے مستحق بنو۔

۶۹ ۔ یہ عام مشاہدہ میں آنے والی بات ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے۔ سایہ کا زمین پر گرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چیز خدا کے قانون میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور وہ اپنے سایہ کو زمین پر گرنے سے روک نہیں سکتی اور زمین پر سایہ کا گرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ کر رہی ہے۔ پھر سایہ سورج کی مخالف سمت میں گرتا ہے۔ سورج مشرق میں ہے تو سایہ مغرب کی طرف گرے گا اور اگر سورج مغرب میں ہے تو سایہ مشرق میں گرے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سایہ سورج کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کو سجدہ کرتا ہے۔ کافر کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے۔ لیکن اس کا سایہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے، اگر وہ اس بات پر غور کرے تو توحید کو قبول کرلے اور اپنے کو اللہ کے آگے جھکا دے۔

۷۰ ۔ یعنی خالق کے آگے بڑا کوئی نہیں۔ ساری مخلوق اس کے آگے پست اور عاجز ہے۔ پھر کسی چیز کے خدا ہونے کا کیا سوال اور اس کی پرستش کے کیا معنیٰ؟

۷۱ ۔ اوپر کی آیت میں عام مشاہدہ میں آنے والی چیز سایہ کے سجدہ کرنے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس حقیقت سے باخبر کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام جاندار مخلوق اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔ یعنی اپنے کو اسی کے آگے جھکاتی ہے۔ اور جس جاندار کے لئے جھکنے کی جو شکل اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے اس کے مطابق وہ جھکتا ہے۔

اس آیت نے یہ انکشاف بھی کیا کہ جاندار مخلوق صرف زمین ہی میں نہیں آسمانوں میں بھی موجود ہے۔

۷۲ ۔ یہاں فرشتوں کی چار صفات کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ بڑائی اور سرکشی نہیں کرتے۔ تیسری یہ کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس احساس کے ساتھ کہ وہ ان کے اوپر موجود ہے۔ اور چوتھی یہ کہ وہ اطاعت شعار ہیں اور اس کے ہر حکم کو بجالاتے ہیں۔ اور جب فرشتوں کا اپنا حال یہ ہے تو ان کو خدا کا شریک ٹھہرانے کا کیا مطلب؟ یہ نری جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ آیت سجدہ ہے اس لئے اس کی تلاوت کرتے ہوئے سجدہ کرنا چاہئے۔

۷۳ ۔ اللہ کا یہ فرمان ہمیشہ سے رہا ہے۔ اور قرآن میں اس نے اپنے اس فرمان کو بالکل محفوظ کر دیا ہے۔

ایک سے زیادہ خدا کا عقیدہ ہر لحاظ سے باطل ہے۔ اور کوئی شخص دو خداؤں (Dualism) کا قائل ہو یا تثلیث (Trinity) کا اور کسی نے متعدد معبود بنا کر رکھے ہوں یا ہزاروں، جہالت وحماقت کے ایک سے بڑھ کر ایک نمونے ہیں۔

دو خداؤں کا تصور (Dualism) خاص طور سے زرتشتیوں (پارسیوں) میں پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں خیر کا خدا یزدان ہے اور شر کا خدا اہرمن۔ دنیا میں خیر وشر کی جو کشمکش ہے اس کی انہوں نے یہ فلسفیانہ توجیہ کی کہ خیر کا خدا الگ ہے اور شر کا الگ۔ گویا دو خداؤں میں کشمکش برابر جاری ہے اور انسان بلا وجہ اس کشمکش کی زد میں آرہا ہے۔ اور جب یہ دونوں خدا جنگ سے اب تک فارغ نہیں ہو سکے ہیں، تو انسان دنیا میں جنگ سے کیونکر فارغ ہو سکتا ہے؟ یہ تصور دونوں خداؤں کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ کیوں کہ کوئی ایک خدا بھی اتنا طاقتور نہیں ہے کہ دوسرے پر غالب آسکے۔ اور پھر انسان کیلئے سوائے مایوسی کے کچھ نہیں رہ جاتا۔ خدا کا یہ کتنا گھٹیا تصور ہے جو کسی مذہب میں پایا جائے! سبحانہ وتعالیٰ عَمَّا یَقُولُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْراً (مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۳ ۔)

۷۴ ۔ متن میں لفظ ''الدین'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ یہاں اس اطاعت کے ہیں جو دل کے خضوع کے ساتھ ہو۔ اور ''واصب'' کے معنیٰ لازم اور دائمی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی لازمی اور مستقل اطاعت اس کا حق ہے۔ یہ اطاعت نہ وقتی ہے اور نہ کسی کی اپنی پسند پر موقوف ہے۔ بلکہ بندہ ہونے کی حیثیت

سے انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ اسی نوعیت کی اطاعت کا ہونا چاہئے اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ ہونا چاہئے، نہ کہ محض رسمی اور ضابطہ بندی کی حد تک۔

۷۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۷۱۔

۷۶۔ یعنی نوع انسانی کا ایک گروہ۔

۷۷۔ یعنی جب اللہ تمہاری تکلیف دور کر دیتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کا احسان مانو، غیر اللہ کا احسان ماننے لگتے ہو کہ یہ فلاں اور فلاں کی مہربانی سے ہوا۔ مشرکین دیوی دیوتاؤں کی مہربانی سمجھتے ہیں۔ اور مسلمان جو لوگ شرک میں مبتلا ہیں وہ اسے ''اولیاء'' اور ''پیروں'' کی مہربانی قرار دے کر اس کے شکریہ کے طور پر ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔ شرک کی یہ قسم قرنِ اول کے مسلمانوں میں نہیں تھی۔ یہ بعد میں ایجاد ہوئی اور اب اس کا ایسا چلن ہو گیا ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس کو سرے سے شرک ہی نہیں سمجھتی۔ کاش وہ ان آیات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیتے!

۷۸۔ یعنی وہ خدائی میں جن کو شریک مانتے ہیں اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ پھر بھی ان کو اللہ کا شریک مان کر ان کی نذر و نیاز کے لئے اپنی آمدنی میں سے ایک حصہ خاص کر دیتے ہیں۔ مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۲۴۷۔

۷۹۔ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے جو سراسر ایک بے بنیاد بات ہے۔ بیٹیاں ہونا ان کے نزدیک بجائے خود ایک معیوب بات تھی۔ چنانچہ وہ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے تھے اور اگر لڑکی پیدا ہو جاتی تو اسے اپنے لئے عار سمجھتے۔ اس طرح انہوں نے اپنے لئے جو معیار قائم کر لیا تھا، اس سے پست معیار اللہ کے لئے قائم کیا تھا۔ ان کی اسی فاسد ذہنیت پر ضرب لگائی گئی ہے۔

❑❑❑❑❑❑

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے۔ وہ اس خوشخبری کو بُرا خیال کر کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ ذلت کے ساتھ رکھ لے یا مٹی میں اسے دبا دے۔ دیکھو کیسا بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں! بُری مثال ان لوگوں کیلئے ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور اللہ کیلئے تو اعلیٰ صفتیں ہیں۔ وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت مقرر آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے۔ (القرآن)

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾

۵۸ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے۔

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹ وہ اس خوشخبری کو بُرا خیال کر کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ ذلت کے ساتھ رکھ لے یا مٹی میں اسے دبا دے ۸۰؎۔ دیکھو کیسا بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں!

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

۶۰ بُری مثال ان لوگوں کیلئے ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۸۱؎۔ اور اللہ کیلئے تو اعلیٰ صفتیں ہیں ۸۲؎۔ وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾

۶۱ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا ۸۳؎۔ لیکن وہ انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے۔ ۸۴؎

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾

۶۲ وہ، اللہ کیلئے وہ چیزیں ٹھہراتے ہیں جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں ۸۵؎۔ اور ان کی زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کیلئے بھلائی ہی بھلائی ہے ۸۶؎۔ ان کیلئے تو لازماً آگ ہے۔ وہ اسی میں چھوڑ دئے جائیں گے۔ ۸۷؎

تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

۶۳ اللہ کی قسم ۸۸؎! تم سے پہلے بھی ہم نے کتنی ہی امتوں کی طرف رسول بھیجے تھے تو شیطان نے لوگوں کو ان کے کرتوت خوشنما کر دکھائے۔ اور آج وہی ان کا رفیق ہے ۸۹؎۔ ان لوگوں کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

۶۴ ہم نے یہ کتاب تم پر اسی لئے اتاری ہے کہ جن باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دو ۹۰؎۔ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔

وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾

۶۵ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے زمین کو جو مردہ ہو گئی تھی زندہ کر دیا ۹۱؎۔ بلاشبہ اس میں نشانی ہے، ۹۲؎ ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں۔ ۹۳؎

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾

۶۶ اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی سبق موجود ہے ۹۴؎۔ ہم ان کے پیٹ سے فضلہ اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہوتا ہے۔ ۹۵؎

۸۰۔ عرب میں قبائلی سسٹم رائج تھا جس میں دفاع وغیرہ کے تعلق سے مَردوں کی خاص اہمیت تھی ۔ یہ پہلو ان کے ذہنوں میں اس قدر غالب رہا کہ لڑکیوں کی پیدائش انہیں ناگوار ہونے لگی ۔ اور سوسائٹی کا ذہن ایسا بگڑ گیا کہ وہ اسے عیب خیال کرنے لگی ۔ نتیجہ یہ کہ جب کسی شخص کو یہ اطلاع مل جاتی کہ اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی ہے تو غم سے اس کا چہرہ بدل جاتا اور وہ غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ۔ اگر وہ اس کی پرورش کرتا تو اس کو اپنے لئے باعث عار سمجھ کر کرتا یا پھر اس عار سے بچنے کے لئے اسے گڑھا کھود کر زندہ دفن کر دیتا ۔ ان کی اس ظالمانہ حرکت کی تصویر ان آیتوں میں کھینچی گئی ہے تاکہ انہیں اپنی غلط ذہنیت کا احساس ہو جائے ۔

۸۱۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے اندر لازماً بُرے اوصاف پرورش پاتے ہیں ۔ مثلاً فاسد عقائد، نیتوں کا کھوٹ، نمود و نمائش، حسد و بغض، حرام خوری، بے حیائی، حق تلفی، اسراف، ظلم زیادتی اور دوسری بہت سی برائیاں، اس لئے وہ اسی لائق ہیں کہ ان کی حالت کو واضح کرنے کے لئے بُری مثالیں دی جائیں ۔ چنانچہ قرآن میں ان کی اس بات کو کہ وہ غیر اللہ کو اپنا کارساز بنائے ہوئے ہیں مکڑی کے بودے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے (سورۂ عنکبوت : ۴۱) ان کی مثال اندھوں اور بہروں سے دی گئی ہے (ہود : ۲۴) ان کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہیں جو کچھ سمجھتے نہیں ۔ (اعراف : ۱۷۹)

۸۲۔ یعنی اللہ کے لئے کوئی ایسی مثال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی جس سے کوئی عیب یا کمزوری اس کی طرف منسوب ہوتی ہو ۔ اس کی صفات نہایت اعلیٰ ہیں اس لئے اس کے بارے میں ایسی باتیں ہی کہی جا سکتی ہیں جن سے اس کی شان اور مرتبہ کی بلندی کا اظہار ہوتا ہو ۔

فرشتوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں یا بیٹوں جیسے ہیں ۔ ایک ایسی بات خدا کی طرف منسوب کرنا ہے جو اس کے مرتبہ سے بہت فروتر ہے ۔ اسی طرح خدا کو بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ کہنا کہ ہم اپنی حاجتیں براہ راست خدا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے ۔ لہٰذا اپنی درخواستوں کو اس تک پہنچانے کے لئے واسطے اور وسیلے ضروری ہیں ۔ خدا کے لئے غلط اور نامناسب مثالیں گھڑنے کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

۸۳۔ یہاں جاندار سے مراد انسان ہے جیسا کہ آیت کے الفاظ '' اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا '' سے واضح ہے ۔

۸۴۔ ہر شخص کے لئے مہلت کا وقت اس کی موت تک ہے اور قوموں کے لئے ان اجتماعی ہلاکت تک ۔

۸۵۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ لوگ اپنے لئے بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں ۔ لیکن اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں ۔

۸۶۔ یعنی ان مشرکانہ عقائد و اعمال کے باوجود وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہمارے لئے خیریت ہی خیریت ہے ۔ دنیا کی بھلائیاں ان شریکوں کے طفیل ہی ہمیں ملتی ہیں ۔ اور اگر آخرت کا مرحلہ پیش آ ہی گیا تو یہی شرکاء (فرشتے) ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہماری نجات کا سامان کریں گے ۔

۸۷۔ یعنی وہ بھلائی کے خواب دیکھ رہے ہیں حالانکہ جہنم لازمی طور پر ان کا ٹھکانا بننے والی ہے ۔ اور اس میں ان کو اس طرح چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اس عذاب سے کبھی نجات نہ پا سکیں گے ۔

۸۸۔ اللہ نے یہاں اپنی ذات کی قسم کھائی ہے جس سے بڑھ کر یقین اور وثوق پیدا کرنے والی چیز اور کیا ہو سکتی ہے ۔

۸۹۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے گئے تھے ۔ لیکن انہوں نے رسولوں کی بات نہیں مانی بلکہ شیطان کی فریب کاری کا شکار ہو گئے ۔ اور تمہاری قوم بھی آج اسی شیطان کو رفیق بنائے ہوئے ہے ۔

۹۰۔ خدا اور مذہب کے بارے میں لوگوں کے درمیان زبردست اختلافات پائے جاتے ہیں ۔ ان اختلافات کی حقیقت واضح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن نازل فرمایا ۔ اس کے بعد لوگوں کے لئے ان بنیادی امور میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ۔ اس کے باوجود اگر لوگ اپنے اختلافات پر جمے رہے تو وہ اپنے عمل کے آپ ذمہ دار ہوں گے ۔

۹۱۔ یعنی خشک زمین پر بارش کے چھینٹے پڑتے ہی وہ سرسبز و شاداب ہو گئی ۔

۹۲۔ نشانی اس بات کی کہ جو خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہ مُردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۹۷۔ ۔

۹۳۔ یعنی جو گوش ہوش سے سنتے ہیں۔

۹۴۔ سبق توحید کا، اللہ کی ربوبیت کا اور اس کے کمال قدرت کا،

۹۵۔ یعنی جانور کے پیٹ میں جہاں گوبر اور خون پیدا ہوتا ہے۔ وہیں ایک تیسری چیز خالص دودھ بھی پیدا ہوتا ہے۔ جس میں ان دو چیزوں کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا اور انسان اس کے پینے میں لذت محسوس کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے بے شمار چلتے پھرتے کارخانے بنائیں ہیں، جن میں عجیب و غریب طریقہ سے اعلیٰ درجہ کا مشروب تیار ہوتا ہے جو لذیذ بھی ہے اور صحت بخش بھی۔

❑❑❑❑❑❑

اور تمہارے رب نے شہد کے مکھی پر
الہام کیا کہ پہاڑوں میں ، درختوں میں اور چھتوں
میں جن کو لوگ بلند کرتے ہیں چھتے بنا۔ پھر ہر طرح کے پھلوں
کا رس چوس۔ اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چل۔ اس
کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا ایک مشروب نکلتا ہے، جس میں لوگوں
کے لئے شفاء ہے۔ یقیناً اس میں نشانی ہے، ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر
کرتے ہیں۔ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دیتا ہے۔
اور تم میں سے کسی کو بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے کہ جاننے کے
بعد کچھ نہ جانے۔ بلاشبہہ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا
اور بڑی قدرت والا ہے۔ (القرآن)

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا
حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے تم نشہ آور چیز بھی بنا لیتے ہو اور اچھا رزق بھی حاصل کرتے ہو ۹۶؎۔ بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۹۷؎

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۙ﴿٦٨﴾

٦٨ اور تمہارے رب نے شہد کے مکھی پر الہام کیا کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھتوں میں جن کو لوگ بلند کرتے ہیں چھتے بنا۔ ۹۸؎

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩ پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس ۹۹؎۔ اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چل ۱۰۰؎۔ اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا ایک مشروب نکلتا ہے ۱۰۱؎، جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے ۱۰۲؎۔ یقیناً اس میں نشانی ہے ۱۰۳؎، ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ
الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾

٧٠ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دیتا ہے۔ اور تم میں سے کسی کو بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔ ۱۰۴؎

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ
فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾

٧١ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ تو جن کو برتری دی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیرنے والے نہیں کہ وہ اس میں برابر (کے حصہ دار) ہو جائیں ۱۰۵؎۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟ ۱۰۶؎

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۙ﴿٧٢﴾

٧٢ اللہ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں بنائیں ۱۰۷؎ اور تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ پھر کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کے احسان کو نہیں مانتے؟ ۱۰۸؎

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۚ﴿٧٣﴾

٧٣ اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو اس بات کا کوئی اختیار نہیں رکھتے کہ انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیں۔ یہ بات ہرگز ان کے بس میں نہیں ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾

٧٤ تو (دیکھو) اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ۱۰۹؎

۹۶۔ کھجور کے درخت اور انگور کے بیلوں سے حاصل ہونے والے پھل اللہ کی بہترین نعمت ہیں۔مگر لوگ ان پھلوں سے شراب بنا کر اس نعمت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔آیت کے یہ الفاظ ''تم نشہ آور چیز بھی بنا لیتے ہو اور اچھا رزق بھی'' اس بات کی طرف صریح اشارہ کرتے ہیں کہ نشہ آور چیز اچھا رزق (رزق حسن) نہیں ہے۔

اگر چہ خمر (شراب) کی حرمت کا صریح حکم بعد میں نازل ہوا، (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۹ اور سورۂ مائدہ ۹۱) لیکن اس سے بہت پہلے اس آیت کے ذریعہ اس کے پاکیزہ رزق نہ ہونے کی طرف واضح اشارہ کیا گیا تھا۔

یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ شراب پچھلی شریعتوں میں جائز رہی ہے کیوں کہ قرآن کی رو سے شراب ایک نجس چیز اور شیطانی عمل ہے۔اور ایسی چیزوں کو خدا کی شریعت کبھی سند جواز عطا نہیں کرتی۔بائبل کی کتاب یسعیاہ اور امثال میں شراب کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے:

''ان پر افسوس جو مَے پینے میں زور آور اور شراب ملانے میں پہلوان ہیں'' (یسعیاہ ۵: ۲۲)

''تو شرابیوں میں شامل نہ ہو اور نہ حریص کبابیوں میں'' (امثال ۲۳: ۲۰)

''مے مسخرہ اور شراب ہنگامہ کرنے والی ہے اور جو کوئی ان سے فریب کھاتا ہے دانا نہیں۔'' (امثال ۲۰:۱)

۹۷۔ یعنی آدمی عقل عام (Common Sense) سے کام لے تو یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا کہ اس کا رب بڑا ہی محسن ہے کہ اس نے بہترین نعمتیں اس کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔اور یہ احساس جب اس میں پیدا ہوگا تو وہ اس توحید کو پالے گا جس کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔

۹۸۔ یعنی اللہ نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اونچی جگہوں میں چھتے بنائے اور پھولوں کا رس چوس کر شہد تیار کرے۔شہد کی مکھی اس کام کو جس طرح انجام دیتی ہے وہ عقل کو حیرت میں ڈالنے والا ہے۔چھتّے میں وہ مسدّس خانے بناتی ہے جس کے زاویے اتنے صحیح ہوتے ہیں کہ، گویا جومیٹری کے کسی ماہر نے آلات کی مدد سے بنائے ہیں۔پھر وہ شہد جمع کرنے کا کام اجتماعی طور پر نظم و انضباط کے ساتھ نہایت سرگرمی اور بڑے سلیقے سے انجام دیتی ہے۔شہد کی مکھی کی یہ کاریگری اس کے رب کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔اس تعلیم کو جو براہِ راست خدا کی طرف سے اسے ملتی ہے ''وحی'' سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے ''الہام'' کیا ہے۔

۹۹۔ متن میں لفظ ''ثمرات'' استعمال ہوا ہے جو پھلوں پھولوں اور پیداوار کے لئے عام ہے۔شہد کی مکھی مختلف پھولوں پھلوں اور جڑی بوٹیوں کا رس چوستی ہے۔یہ رس اس کے پیٹ کی تھیلی میں جمع ہو کر شہد میں تبدیل ہوجاتا ہے جسے وہ اگل کر اپنے چھتّے میں جمع کرتی ہے۔ایک پونڈ شہد جمع کرنے کے لئے اسے جو چکر کاٹنا پڑتے ہیں ان کا مجموعی فاصلہ کرۂ زمین کے گرد تین چکر لگانے کے بقدر رہوتا ہے ملاحظہ ہو کتاب:

(Honey by Eva crane Director Bee Research Association London p.4)

۱۰۰۔ ''رب کی ہموار راہوں'' سے مراد وہ طور طریقے ہیں جن کو اختیار کر کے شہد کی مکھی کیلئے شہد بنانا آسان ہوگیا ہے۔شہد کا جو ایک ایک قطرہ وہ جمع کرتی ہے اس کے لئے اسے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے اور کئی مراحل سے اسے گذرنا پڑتا ہے۔مگر یہ سب مراحل اس کے رب نے اس کے لئے اتنے آسان کر دیئے ہیں کہ وہ اپنے کام میں برابر لگی رہتی ہے۔اور دور دور تک پھولوں کی تلاش میں جاتی ہے اور راستہ بھٹکے بغیر اپنے چھتّہ میں آکر شہد جمع کرتی ہے۔پھلوں سے اس وقت وہ رس چوستی جب کہ اس کا چھلکا نرم ہو یا پھٹ گیا ہو۔

۱۰۱۔ شہد کے مختلف رنگ ہوتے ہیں سرخ، سفید، زرد، جس قسم کے پھلوں اور پھولوں کا رس شہد کی مکھی چوستی ہے، اس کی مناسبت سے شہد میں رنگ، ذائقہ اور طبی خصوصیات (Medical properties) پیدا ہوجاتی ہیں۔

۱۰۲۔ شہد ایک لذیذ اور مفید غذا ہونے کے علاوہ مختلف بیماریوں کیلئے نسخۂ کیمیا بھی ہے۔قدیم زمانہ سے لوگ اس کو شفا کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔

شہد ایک اچھا محفوظ کرنے والا مادہ (Preservative) بھی ہے کیوں کہ اس میں بیکٹریا (Becteria) پرورش نہیں پا سکتا اس لئے یونانی دواؤں میں بکثرت اس کا استعمال ہوتا ہے۔ جدید طبی تحقیقات کی رو سے شہد میں مختلف قسم کے وٹامن (Vitamins) اور معدنیات (Minerals) پائی جاتی ہیں، گویا شہد ایک اچھا خاصا ٹانک (Tonic) بھی ہے۔

۱۰۳۔ نشانی اس بات کی، کہ ان گونا گوں خصوصیات اور فوائد سے بھر پور مشروب تیار کرنے کے کام میں شہد کی مکھی کو لگا کر انسان کو اس نے ایک نفیس نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس سے اس کی شان ربوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۰۴۔ عمر کے بدترین حصہ سے مراد بہت زیادہ بڑھاپے کی عمر ہے جب کہ انسان کی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں۔ اور بعض لوگوں کا حال تو یہ ہوجاتا ہے کہ انہیں اپنا ہوش بھی نہیں رہتا۔ دوسری قوتوں کے ساتھ قوت حافظہ بھی کمزور ہوجاتی ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَۃً۔ (سورۂ روم: ۵۴)

''اللہ نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد تمہیں طاقتور بنایا پھر طاقتور بنانے کے بعد تمہیں کمزور اور بوڑھا بنادیا۔''

وَمَنْ نُعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ۔ (سورۂ یٰس)

''اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کو خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں۔''

اس طرح انسان میں طبعی طور پر واقع ہونے والا یہ انحطاط اس کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ قوتوں میں کمال کے بعد یہ زوال اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انسان کا اپنا بل بوتا کچھ بھی نہیں جس پر وہ فخر کر سکے۔ بلکہ ساری قوتیں اس خالق کی بخشی ہوئی ہیں اور وہ جب چاہتا ہے ان کو چھین لیتا ہے۔ حقیقۃً علیم وقدیر ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۱۰۵۔ یہ واقعہ ہے کہ حصول رزق کے معاملہ میں تمام انسانوں کا حال یکساں نہیں ہے۔ کسی کو معیشت کے زیادہ وسائل حاصل ہیں اور کسی کو کم۔ اور جہاں تک غلاموں کا تعلق ہے ان کے حقوق اپنی جگہ، لیکن دنیا کا یہ مسلمہ اصول رہا ہے کہ غلام اپنے آقا کی ملکیت میں شریک نہیں ہے کہ دونوں کی حیثیت برابر ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو غلام غلام ہی نہ رہتا۔ لہٰذا جب انسان اپنی ملکیت میں اپنے غلاموں کو شریک کی حیثیت نہیں دیتا تو خدا کی خدائی میں اس کے بندوں کو کس طرح شریک ٹھہراتا ہے؟ ایک ایسی بات جو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اسے وہ خدائے برتر کی طرف منسوب کرنے کی کیسے جرأت کرتا ہے؟

واضح رہے کہ اس مثال سے مقصود اللہ کا شریک ٹھہرانے والوں کی غلط ذہنیت کو واضح کرنا ہے۔ اور یہ ایسی ہی بات ہے کہ جس طرح قرآن نے مشرکین کے اس عقیدہ پر کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں گرفت کرتے ہوئے کہا، کہ تم اپنے لئے تو بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو مگر خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہو۔ مقصود اس سے ان کے ذہن کی خرابی اور عقیدہ کے فساد کو واضح کرنا ہے نہ کہ اس بات کو سند جواز عطا کرنا کہ انسان اپنے لئے بیٹیوں کو معیوب سمجھے۔ اسی طرح یہاں بھی غلاموں کی اصولی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے مثال دی گئی ہے۔ ان کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کا مسئلہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ اس لئے بات کو اس کے دائرہ میں رکھ کر غور کرنا چاہئے۔ بعض حضرات نے یہاں فلسفہ معیشت کی بحث چھیڑ دی ہے جو بالکل بے محل ہے۔

۱۰۶۔ یعنی جب یہ آقا اور غلام کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں تو پھر خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے بندوں کی طرف کس طرح منسوب کرتے ہیں؟ کیا خدا کے بندے اور اس کی مخلوق اس کی خدائی اور اس کی ملکیت میں شریک ہیں؟ اگر نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہے تو کسی بھی نعمت کے مل جانے پر خدا ہی کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ مگر اللہ کا شریک ٹھہرانے والے کسی نعمت کے حاصل ہوجانے پر خدا کا نہیں، بلکہ اس کے بندوں اور اس کی مخلوق کا شکر ادا کرتے ہیں، کہ ان کی نوازشوں سے ہمیں یہ نعمت ملی۔

یہ مشرکین کا حال بیان ہوا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں بدعت پسند مسلمانوں کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ ان میں سے کسی کو جب اولاد یا کوئی اور نعمت ملتی ہے تو وہ

اسے ''خواجہ غریب نواز'' اور ''پیرانِ پیر'' وغیرہ کی نوازش قرار دینے اور شکر کے طور پر ان کے حضور عقیدت کی نذریں اور نیازیں پیش کرنے لگتا ہے۔ اس قسم کی مشرکانہ حرکتوں کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کے عقیدۂ توحید پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کاش وہ قرآن کی تعلیم پر غور کرتے۔

۱۰۷۔ یعنی تمہارے لئے بیویاں کسی اور جنس اور نوع سے نہیں، بلکہ تمہاری اپنی جنس یعنی نوع انسانی سے پیدا کیں تاکہ تم ان سے انس محسوس کرو۔

۱۰۸۔ یعنی ان لوگوں کا معاملہ عجیب ہے۔ فائدہ تو وہ اللہ کی نعمتوں سے اٹھاتے ہیں لیکن احسان اوروں کا مانتے ہیں۔

واضح رہے کہ مشرکین مکہ کو اس بات سے انکار نہیں تھا کہ یہ اور اس قسم کی دوسری نعمتیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اس کی بخشی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ فلاں اور فلاں خدا کے حضور ہمارے سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش اور ان کے واسطے سے ہمیں مختلف قسم کی نعمتیں ملتی ہیں۔ اس لئے ان کا احسان ماننا اور ان کا شکر بجالانا ضروری ہے۔ اس اعتقاد کے نتیجہ میں ان کے سفارشیوں نے خدا کی جگہ لے لی تھی۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتے جو صرف خدا کے ساتھ کیا جانا چاہئے تھا۔

۱۰۹۔ خدا کے لئے مثالیں گھڑنے اور تشبیہ دینے سے ہی شرک کی راہیں کھلی ہیں۔ مثال کے طور پر خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیوں کا تصور آغاز میں ایک مثال اور تشبیہ کے طور پر تھا۔ لیکن جب جب اس تصور نے پختہ اعتقاد کی شکل اختیار کر لی تو مثال اور تشبیہ باقی نہیں رہی۔ اور ان کے تجویز کردہ بیٹے اور بیٹیاں معبود بن گئے۔ اسی طرح خدا کو انسانی بادشاہوں پر قیاس کر کے کہا گیا کہ جس طرح بادشاہ تک اپنی درخواست پہنچانے کے لئے واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اپنی حاجتیں خدا تک پہنچانے کے لئے فلاں اور فلاں کے واسطے اور وسیلے ضروری ہیں۔ پھر جب اس تصور نے اعتقاد کی شکل اختیار کر لی تو ان واسطوں اور وسیلوں نے خدائی کا مقام حاصل کر لیا۔ اب ان ہی کو حاجت روائی کے لئے پکارا جانے لگا، ان ہی سے فریاد کی جانے لگی، ان ہی کی منتیں مانی جانے لگیں اور ان ہی کے لئے نذریں اور نیازیں پیش کی جانے لگیں۔ غرض ان کی پرستش کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ نتیجہ یہ کہ اپنے حقیقی رب سے تعلق کمزور اور خود ساختہ خداؤں سے تعلق مضبوط ہو گیا۔

قرآن نے خدا کے لئے مثالیں گھڑنے کی ممانعت کر کے شرک کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے خدا کے بارے میں قیاس آرائی سے کام لینا جہالت ہے۔ علم کی راہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی جو صفات بیان فرمائی ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ کیوں کہ اللہ سے بڑھ کر اس کی صفات کو جاننے والا کون ہو سکتا ہے؟

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵ اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ۱۱۰؎۔ ایک غلام ہے (دوسرے کا) مملوک جو کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا ہے اور اس میں سے وہ پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ ۱۱۱؎ حمد اللہ ہی کے لئے ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۱۱۲؎

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع

۷۶ اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے۔ دو آدمی ہیں جن میں سے ایک گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا۔ اپنے آقا پر وہ ایک بوجھ ہے جہاں کہیں اسے بھیجے کوئی بھلا کام اس سے بن نہ آئے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور (خود) راہ راست پر ہے۔ ۱۱۳؎

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

۷۷ اور آسمانوں اور زمین کی چھپی باتوں کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور قیامت کا معاملہ تو اسی طرح پیش آئے گا جس طرح کہ آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جلد ۱۱۴؎۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸ اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر گذار بنو۔ ۱۱۵؎

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹ کیا وہ پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح آسمان کی فضا میں مسخر ہیں۔ اللہ ہی ان کو تھامے ہوئے ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۱۱۶؎

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

۸۰ اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکونت کی جگہ بنایا ۱۱۷؎۔ اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے گھر بنا دیئے جنہیں تم سفر اور قیام کے موقع پر نہایت ہلکا پاتے ہو ۱۱۸؎۔ اور ان کے اُون، رووں اور بالوں سے تمہارے لئے (طرح طرح کا) سامان اور مفید چیزیں بنا دیں ۱۱۹؎، کہ ایک خاص وقت تک کام آئیں۔

۱۱۰۔ ایک ایسی مثال جس سے شرک کی تردید ہوتی ہے۔

۱۱۱۔ یعنی ایک شخص بے اختیار غلام ہے اور دوسرا آزاد و مختار ہونے کے علاوہ فیاض بھی ہے۔کیا تم دونوں کو یکساں خیال کرتے ہو؟ نہیں بلکہ جب تم کوئی چیز مانگنا چاہتے تو دوسرے شخص ہی سے مانگتے ہو پہلے شخص سے نہیں۔کیوں کہ تم سمجھتے ہو کہ وہ بے اختیار ہے کچھ کر نہیں سکتا۔غیر مختار اور خود مختار کے اس فرق کو تم اپنے باہمی معاملات میں اچھی طرح سمجھتے ہو۔اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل اختیار کرتے ہو۔لیکن جب اپنی حاجتیں حاجت روا کے سامنے پیش کرنے کا معاملہ ہوتا ہے تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف رجوع کرتے ہو۔اور اس کے بے اختیار بندوں کو اپنا محسن مان کر ان کی شکرگذاری کرنے لگتے ہو۔کیا یہ صریح جہالت نہیں ہے؟

۱۱۲۔ یعنی حقیقی محسن اللہ ہی ہے اسلئے شکر کا مستحق بھی وہی ہے۔مگر اکثر لوگ اس واضح حقیقت سے بھی آگاہ نہیں ہیں اس لئے وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا محسن سمجھتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرنے لگتے ہیں۔

۱۱۳۔ پہلی مثال توحید کے تعلق سے تھی یہ دوسری مثال رسالت کے تعلق سے ہے کہ ایک طرف وہ سردار اور لیڈر ہیں، جن کی زبانیں حق گوئی کے لئے بند ہیں۔خیر کی صلاحیت سے بالکل محروم، اپنے رب کا رزق کھاتے ہیں، مگر ناشکرے ہیں۔ان کے رب نے بھلائی کے جو کام کرنے کیلئے ان کو دنیا میں بھیجا ہے وہ ان کو انجام نہیں دیتے۔دوسری طرف اللہ کا پیغمبر ہے جو اپنے رب کی سیدھی راہ یعنی توحید پر قائم ہے اور اپنی قوتِ گویائی کو حق اور عدل وانصاف کی تعلیم کے لئے استعمال کر رہا ہے۔بتاؤ ان دونوں میں سے کون ہے جو رہنما بنائے جانے کا مستحق ہے؟ ظاہر ہے کہ پیغمبر۔لیکن عجیب بات ہے کہ لوگ خدا کے پیغمبر کو چھوڑ کر ناکارہ لیڈروں کی پیروی کر رہے ہیں۔

۱۱۴۔ مطلب یہ ہے کہ جس ہستی نے کائنات کے اس نظام کو بنایا ہے اس کے لئے اس نظام کو توڑ دینا، اور اس کے اندر سے نئے نظام کے ساتھ ایک نئی دنیا پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔جس دن اللہ قیامت برپا کرنا چاہے گا چشم زون میں بلکہ اس سے بھی کم وقت میں ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ماضی کا انسان قیامت کو اس بنا پر عقل سے بعید خیال کرتا تھا کہ اس کائنات کا نظام نہایت ہی مضبوط ہے وہ ٹوٹ کیسے سکتا ہے؟ اور یہ بڑے بڑے پہاڑ ریزہ ریزہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ مگر سائنسی ترقی نے اس کا امکان بالکل ظاہر کر دیا ہے۔چنانچہ ذرہ کو پھاڑ دینے (Split) سے اتنی زبردست قوت خارج ہوتی ہے کہ آناً فاناً وہ پورے شہر کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔تو جس ہستی کا ذرہ ذرہ پر کنٹرول ہے اس کا تو ایک اشارہ ذرات کو پھاڑ دینے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔اور ان کے پھٹ جانے سے وہ زبردست دھماکہ ہو سکتا ہے۔جس کا نام قیامت ہے اس کائنات کا خالق یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ ایک سیکنڈ کے اندر قیامت کا دھماکہ کرے۔

۱۱۵۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو علم سے عاری اور بے خبر ہوتا ہے۔مگر رفتہ رفتہ اس میں سننے، دیکھنے کی اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں جن کی بنا پر اسے دوسری مخلوقات پر امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔یہ قوتیں اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں اسلئے ان نعمتوں کا حق یہ ہے کہ انسان اپنے محسن کو پہچانے اور اس کا شکر ادا کرے۔لیکن وہ اس سے بے پرواہ ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے۔

۱۱۶۔ یعنی اگر لوگ آنکھیں کھول کر فضائے آسمانی میں اڑنے والے پرندوں کو دیکھیں، تو انہیں اللہ کی قدرت اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں دکھائی دیں۔اور وہ اس پر ایمان لے آئیں۔پرندے کسی مصنوعی قوت کا سہارا لئے بغیر اپنے پروں کے ذریعہ کس طرح فضا میں اڑتے ہیں؟ کون ہے جس نے اڑنے کیلئے پَر دئے پھر ان کو اڑنے کی ایسی تربیت دی کہ وہ فضا میں میلوں سفر کرتے ہیں اور گر نہیں جاتے؟ وہ کون ہے جس کے حکم اور قانون کے یہ تابع (مسخر) ہیں؟

۱۱۷۔ گھر بنانے کا فن اللہ ہی نے سکھایا اور اس کے لئے وسائل بھی فراہم کر دئے۔گھر میں انسان کو جو سکون ملتا ہے وہ اسی کی دین ہے۔

۱۱۸۔ یعنی مویشیوں کے چمڑے سے خیمے بنائے جاتے ہیں، جن کو تہ کر کے سفر میں ساتھ لے جانا بھی آسان ہے۔اور قیام کے دوران ان کو کھول کر ڈیرا بنالینا بھی آسان۔گویا یہ فولڈ ہونے والے مکانات (Folding houses) ہیں جو اللہ کا عطیہ ہیں۔

۱۱۹۔ اون بھیڑ سے، روئیں اونٹ سے اور بال بکری سے حاصل کئے جاتے ہیں ان سے کمبل، لباس اور فرش وغیرہ بنتے ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ
مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ
وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝٨١

[۸۱] اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے بنائے ۱۲۰ ۔ اور پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں ۱۲۱ ۔ اور ایسے لباس جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں ۱۲۲ ۔ نیز ایسی پوشاکیں جو تمہاری جنگوں میں تم کو محفوظ رکھتی ہیں ۱۲۳ ۔ اس طرح وہ تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو۔ ۱۲۴ ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝٨٢

[۸۲] اس کے بعد بھی اگر یہ منہ موڑتے ہیں تو تم پر صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینے ہی کی ذمہ داری ہے ۱۲۵ ۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٣

[۸۳] یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر ان سے انکار کرتے ہیں ۱۲٦ ۔ اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا
يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٨٤

[۸۴] اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے ۱۲۷ ۔ پھر کافروں کو نہ (عذر پیش کرنے کی) اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کی فرمائش کی جائے گی۔ ۱۲۸ ۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝٨٥

[۸۵] اور جب ظالم عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ ان کا عذاب ہلکا کر دیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَاۗءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ
شُرَكَاۗؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا
اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝٨٦

[۸٦] اور وہ لوگ جنہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرائے تھے جب اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے۔ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اس پر وہ ان کی بات ان کے منہ پر دے ماریں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ ۱۲۹ ۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ اِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٨٧

[۸۷] اس دن وہ اللہ کے آگے سپر ڈال دیں گے ۱۳۰ ۔ اور جو جھوٹ وہ گھڑتے رہے ہیں وہ سب غائب ہو جائے گا۔ ۱۳۱ ۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝٨٨

[۸۸] جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے ہم ان کے عذاب پر اور عذاب کا اضافہ کریں گے اس فساد (بگاڑ) کی پاداش میں ۱۳۲ ۔ جو وہ پیدا کرتے رہے۔

۱۲۰۔ درختوں اور پہاڑوں کے سائے۔

۱۲۱۔ غار اور کھوہ۔

۱۲۲۔ لو کی گرمی سے محفوظ رکھنے والے لباس۔

اوپر اون کا ذکر ہوا جس سے سردی سے بچانے کے لئے لباس بنائے جاتے ہیں۔اس لئے یہاں خصوصیت سے گرمی سے بچانے والے لباس کا ذکر فرمایا ہے۔جو روئی وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور جن کی ضرورت عرب جیسے گرم ملک میں زیادہ ہوتی ہے۔

۱۲۳۔ یعنی زرہ ہیں۔

۱۲۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر نعمتوں کی ایسی بارش کردی ہے کہ تمہاری کوئی طبعی اور فطری ضرورت ایسی نہیں رہی جس کی تکمیل کا سامان نہ کیا گیا ہو۔یہ نعمتیں اس نے تمہیں اس لئے عطا کی ہیں کہ تم اپنے رب کو پہچانو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ۔

۱۲۵۔ یعنی اگر ان تمام باتوں کے باوجود جو اوپر بیان ہوئیں ان کے اندر اپنے رب کی بندگی کا احساس نہیں ابھرتا اور اپنے غلط عقائد ہی پر جمے رہنا چاہتے ہیں۔تو وہ اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔پیغمبر پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔

۱۲۶۔ مشرکین کو اس بات سے انکار نہیں تھا کہ یہ نعمتیں اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں لیکن جب ان میں سے کسی کو خاص طور سے کوئی نعمت مل جاتی تو وہ اللہ کو چھوڑ کر اوروں کا احسان قرار دیتا ہے کہ یہ فلاں کی مہربانی کا نتیجہ ہے یا اس کے واسطے یا وسیلہ سے اس نے نعمت پائی ہے۔اس عقیدہ کی بناء پر یہ ''واسطے اور وسیلے'' ہی ان کے شکریہ کے مستحق قرار پاتے۔پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتے جو صرف خدا کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔اس طرح وہ ایک طرف خدا کی نعمتوں کا اقرار کرتے اور دوسری طرف وہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے جس سے اقرار کی نفی ہوتی۔شرک کرنے والوں کی اس حرکت پر یہاں گرفت کی گئی ہے۔

۱۲۷۔ یعنی رسول جو اس امت کی طرف بھیجا گیا تھا۔وہ قیامت کے دن خدا کے حضور گواہی دے گا کہ میں نے تیرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔

۱۲۸۔ یعنی رسول کی گواہی کے بعد کافروں کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہے گا کیوں کہ رسول کی گواہی سے ان کا جرم ثابت ہو چکا ہوگا اور ان سے یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ اپنے قصوروں کی معافی مانگو کیوں کہ معافی مانگنے کا وقت گذر چکا ہوگا۔اس کا موقع انہیں دنیا میں حاصل تھا۔آخرت تو بدلہ ملنے کی جگہ ہے۔

۱۲۹۔ اس تردید سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے مراد بت نہیں بلکہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے ساتھ شرک کرنے والے وہ معاملہ کرتے رہے جو صرف خدا کے ساتھ کیا جانا چاہئے تھا مثلاً ان کو حاضر ناظر جان کر مدد کے لئے پکارنا، ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ ان کو ایسے اختیارات حاصل ہیں کہ وہ خدا سے جو چاہیں دلوا سکتے ہیں۔وہ قسمتوں کو بناتے ہیں، دکھ کو دور کرتے ہیں اور غیب سے دولت اور اولاد عطا کرتے ہیں وغیرہ۔

قیامت کے دن یہ شخصیتیں اپنے ان عقیدت مندوں کو جھوٹا قرار دیں گی کہ نہ ہمیں اس بات کی خبر تھی کہ تم ہمیں حاجت روائی کے لئے پکارا کرتے تھے اور نہ ہم تمہاری حاجت روائی کر سکتے تھے۔تم ہمارے بارے میں جس بات کا دعویٰ کرتے تھے وہ سراسر جھوٹ ہے۔

۱۳۰۔ یعنی اس روز یہ شرک کرنے والے اپنا برسرِ غلط ہونا تسلیم کرلیں گے اور خدا کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کریں گے۔

۱۳۱۔ یعنی ان کا یہ جھوٹ کہ خدا نے اپنے اختیارات میں سے فلاں اور فلاں کو یہ اور یہ اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ اس بات پر قادر ہیں بالکل باطل ثابت ہوجائے گا۔واضح رہے کہ شرک بت پرستوں ہی میں نہیں پایا جاتا بلکہ موجودہ دور کے مسلمانوں کی بھی اچھی خاصی تعداد شرک میں بُری طرح مبتلا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے بزرگوں میں سے کسی کو مشکل کشا کا لقب دے رکھا ہے تو کسی کو دستگیر کا، کسی کو غریب نواز کا، کسی کو غوث پاک کا اور تاویلات کر کے وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے۔حالانکہ قرآن نے اصولی طور پر جن باتوں کو شرک قرار دیا ہے اس سے ان کا معاملہ ہرگز مختلف نہیں ہے۔

بقیہ صفحہ ۸۶۶ پر

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا
عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا
عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

۸۹ اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ ان ہی میں سے ان کے مقابل اٹھا کھڑا کریں گے اور تم کو ان لوگوں پر گواہی دینے کیلئے لائیں گے ۱۳۳؎۔ اور (ان پر حجت قائم کرنے ہی کیلئے) یہ کتاب ہم نے تم پر نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے والی ہے ۱۳۴؎۔ اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو مسلم (فرمانبردار) بن جائیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ
ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

۹۰ اللہ حکم دیتا ہے عدل کا ۱۳۵؎، بھلائی کا ۱۳۶؎، اور قرابتداروں کو دینے کا ۱۳۷؎، اور روکتا ہے بے حیائی، برائی اور ظلم سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ
بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾

۹۱ اور اللہ کے عہد کو جب کہ تم نے باندھا ہو ۱۳۸؎، پورا کرو۔ اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جب کہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو ۱۳۹؎۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ
أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن
تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ
لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

۹۲ اور اس عورت کے مانند نہ ہو جاؤ جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۱۴۰؎۔ تم اپنی قسموں کو باہم خیانت کا ذریعہ بناتے ہو اس بنا پر کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ کر (طاقتور) ہے ۱۴۱؎۔ اللہ اس کے ذریعہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ۱۴۲؎۔ وہ قیامت کے دن تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر ضرور کھول دے گا۔ ۱۴۳؎

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُضِلُّ
مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ
عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

۹۳ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ۱۴۴؎۔ اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔

وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ
ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدتُّمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ
وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾

۹۴ اور اپنی قسموں کو آپس میں خیانت کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کوئی قدم جمنے کے بعد اکھڑ جائے ۱۴۵؎۔ اور اللہ کی راہ سے روکنے کی پاداش میں تمہیں برے نتیجہ کا مزا چکھنا پڑے اور تم بڑے عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔ ۱۴۶؎

۱۳۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۹۶۔

۱۳۴۔ قرآن کا موضوع ہے "اللہ کی راہ کو لوگوں پر واضح کرنا اور گمراہیوں سے انہیں بچانا۔" اس کے پیش نظر قرآن نے تمام ضروری باتیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو انسان کی ہدایت کیلئے بالکل کافی اور شافی ہیں۔ رہیں قرآن کے احکام کی تفصیلات اور ان کی عملی صورتیں تو پیغمبر کی سنت نے اس کو بخوبی واضح کر دیا ہے۔

اور جب یہ حقیقت ہے کہ قرآن میں وہ تمام باتیں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ جن کا تعلق انسان کی ہدایت سے ہے۔ اور جن پر اس کے آخرت میں نجات پانے کا دارومدار ہے تو کوئی عقیدہ ایسا نہیں ہوسکتا جو دین میں ضروری ہو اور قرآن میں بیان نہ ہوا ہو۔ اس لئے جو مسلمان قرآن کے پیش کردہ عقائد پر کسی اور عقیدہ کا اضافہ کرتے ہیں وہ دین میں بہت بڑی بدعت کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور اسی سے مسلمانوں میں فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر عقائد کے بارے میں قرآن کو کافی سمجھنے لگیں تو فرقہ بندی ختم ہو جائے۔

۱۳۵۔ قرآن جہاں اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان اپنے رب سے راستی کی بنیاد پر تعلق قائم کرے۔ وہاں وہ تاکید بھی کرتا ہے کہ انسان اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو پہچانے۔ اور ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ اپنے تعلقات درست رکھے۔ بندوں کے حقوق کی طرف سے بے پرواہی یا ان کی حق تلفی کو اس نے گناہ قرار دیا ہے۔

اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ بڑا جامع اور بنیادی اخلاقی قدروں کا حامل ہے، نیز عمومیت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے۔ یعنی ہر شخص اس کا مخاطب ہے۔ شان نزول کے لحاظ سے یہ آیت ـــــ اور آیت ہی نہیں پوری سورہ ـــــ اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ اہل ایمان پر کفار مکہ کا ظلم بڑھ گیا تھا۔ اس موقع پر عدل کا حکم دے کر انسانی ضمیر کو جھنجھوڑا گیا۔ عدل وہ وصف ہے جو انسان کے لئے نہ صرف باعث شرف ہے بلکہ اس کو راست رو بنا دیتا ہے۔ قول ہو یا عمل دونوں میں عدل و انصاف ضروری ہے۔

۱۳۶۔ انسان خواہ کوئی ہو اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

۱۳۷۔ قرابتداروں کا حق مقدم ہے۔ ان کے ساتھ نیک سلوک اور ان کی مالی امداد لازم ہے۔

۱۳۸۔ "جب کہ تم نے عہد باندھا ہو" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں اللہ کے عہد سے مراد وہ عہد ہے جو انسان شعوری طور پر اس سے باندھے۔ مثلاً مصیبت میں گھرے ہوئے انسان کا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرنا کہ اگر تو نے مصیبت سے مجھے نجات دی تو میں تیرا شکر گذار بندہ بن جاؤں گا۔ لیکن مصیبت سے نجات پانے کے بعد اپنے قول و قرار کے خلاف شرک کرنا اور خدا کا ناشکرا بننا۔ (سورۂ انعام آیت ۶۳، ۶۴) یا انسان کا خدا سے یہ عہد کرنا کہ اگر تو نے مجھے بھلی چنگی اولاد عطا کی تو میں تیرا شکر گذار بندہ بن جاؤں گا۔ لیکن بھلی چنگی اولاد کے عطا ہو جانے پر اپنے قول سے پھر جانا اور خدا کی بخشش میں اوروں کو شریک ٹھہرانا (اعراف ۱۸۹، ۱۹۰) ظاہر ہے کہ اس قسم کے قول و قرار سے پھر جانا صریح بدعہدی ہے۔ اللہ کے عہد میں اس قسم کے قول و قرار کے علاوہ نذریں بھی شامل ہیں جو کسی نے اللہ کیلئے مانی ہوں اور وسیع مفہوم میں اللہ کی اطاعت و بندگی کا عہد بھی۔

۱۳۹۔ یہاں قسموں سے مراد وہ معاہدے ہیں جو اللہ کی قسم کھا کر کئے جائیں۔ چنانچہ عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ جب کسی کے ساتھ معاہدہ کرتے تو اس کو مؤکد کرنے کے لئے اللہ کی قسم کھاتے۔ اور قسموں کو توڑنے کا مطلب عہد شکنی کرنا ہے جو بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔

۱۴۰۔ یعنی جس طرح سوت کو بڑی محنت سے کاتا گیا ہو، ٹکڑے ٹکڑے کر دینا صریح نادانی اور اپنی محنت کو ضائع کرنا ہے۔ اسی طرح اپنے عہد و پیمان کو خدا کی قسم کھا کر مضبوط کر دینے کے بعد توڑ دینا بہت بڑی نادانی اور بڑے خسارے کی بات ہے۔

یہ اشارہ ہے یہود کی طرف جنہوں نے اللہ سے اس کی شریعت کی پابندی کا عہد باندھا تھا۔ لیکن اس کو توڑ ڈالا اور اس کی اطاعت سے نکل گئے۔ اس مثال سے مقصود ان لوگوں کو جو نئے نئے اسلام میں داخل ہو گئے تھے استقامت اختیار کرنے کی تاکید کرنا ہے۔

۱۴۱۔ یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے اسلام قبول تو کیا تھا لیکن حالات کی شدت سے جن کے قدم اکھڑ رہے تھے، جیسا کہ بعد کی آیت سے واضح ہے۔مثال کے طور پر عبیداللہ بن جحش نے اسلام قبول کر کے حبش کو ہجرت کی تھی لیکن بعد میں عیسائی ہو گیا۔(البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۴۳)

اس آیت میں قسموں سے مراد کلمۂ شہادت ہے جس کو ادا کر کے کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے چنانچہ سورۂ منافقون میں منافقوں کی اس شہادت کو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ''ایمان'' قسموں سے تعبیر کیا گیا ہے ۔(سورۂ منافقون آیت ۱۔۲) اور قسموں کو خیانت کا ذریعہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے پھر جانا جو خدا کے ساتھ عہد شکنی بھی ہے اور مسلمان گروہ (ملت اسلامیہ) کے ساتھ غداری بھی۔اس وقت مکہ میں مسلمانوں کا گروہ بہت مختصر تھا جو اپنی مدافعت کی طاقت بھی نہیں رکھتا تھا اور دوسری طرف مشرکین کا گروہ تھا جو کثرتِ تعداد کے علاوہ مادی لحاظ سے بڑا طاقتور تھا۔یہ گروہ اپنی طاقت کے بل پر مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم پر اتر آیا تھا۔حالات کی اس شدت سے بعض کمزور مسلمانوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے اس پر انہیں یہاں متنبہ کیا گیا ہے۔

۱۴۲۔ آزمائش اس بات کی کہ تم ایک ایسے گروہ میں شامل ہوتے ہو جو مختصر اور کمزور ہے۔مگر حق کی طاقت جس کے ساتھ ہے یا اس گروہ کا ساتھ دیتے ہو جو بظاہر طاقتور ہے لیکن برسر باطل ہے۔

۱۴۳۔ یعنی قیامت کے دن معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر تھا۔توحید اور اسلام کی بنیاد پر وجود میں آنے والا گروہ یا مشرکانہ مذہب کی بنیاد پر بننے والا گروہ۔

۱۴۴۔ یعنی اللہ سب انسانوں کو اپنی قوت قاہرہ سے مسلمان بنا سکتا تھا۔لیکن چونکہ آزمائش مقصود تھی اس لئے انسان کو یہ آزادی بخشی کہ حق اور باطل میں سے جس کا چاہے انتخاب کرلے اب جو شخص جس چیز کا طالب ہوتا ہے اللہ کی مشیت اسے اس راہ پر ڈال دیتی ہے۔اس لئے مشرکوں اور کافروں کی کثرت سے کسی کو متاثر نہیں ہونا چاہئے۔بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی نجات کس راہ کو اختیار کرنے میں ہے۔

۱۴۵۔ یہ مسلمانوں سے خطاب ہے اور جیسا کہ اوپر نوٹ ۱۴۱ میں واضح کیا گیا ہے، یہاں قسموں سے مراد کلمۂ شہادت ادا کر کے اللہ سے بندگی و اطاعت کا عہد باندھنا ہے۔اور قدم اکھڑ جانے کا مطلب اس عہد سے پھر جانا ہے۔

۱۴۶۔ یعنی اگر تم نے اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس سے انحراف کی راہ اختیار کی، تو تمہاری یہ حرکت کتنے ہی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب بنے گی۔اس طرح تم خود بھی گمراہ ہو گے اور خلقِ خدا کے لئے گمراہی کا سامان کرو گے۔اور اگر ایسا تم نے کیا تو اس کے نہایت بُرے نتائج تم کو بھگتنا ہوں گے اور سخت سزا کے مستحق ہو جاؤ گے۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۸۶۳ سے آگے

جاہل مسلمانوں کی ان مشرکانہ حرکتوں کو نام نہاد علماء کا طبقہ سند جواز عطاء کرتا ہے چنانچہ موجودہ دور کی ایک نئی تفسیر میں یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ:

''ایسے ہی رب اپنے بعض مقبول بندوں کو اپنے فضل سے خدائی کا مالک بنا دیتا ہے لیکن اسکے باوجود وہ رب کے برابر نہیں ہوتے بلکہ اسکے بندے ہی رہتے ہیں۔''

یہ صریح تضاد بیانی ہے اور زبردست مغالطہ بھی گویا خدائی کا مالک بنا دینے کا عقیدہ بھی شرک نہیں قرار پاتا۔اللہ بچائے اس مغالطہ سے۔

۱۳۲۔ قرآن کے نزدیک سب سے بڑا فساد (بگاڑ) یہ ہے کہ آدمی شرک کرے اور اس کو پھیلائے اور توحید کی راہ سے لوگوں کو روکے۔

اللہ کے عہد کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے
لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو
اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر سے کام
لیا ان کو ہم ان کے بہترین اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔ جو کوئی نیک
عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو ہم اسے پاکیزہ
زندگی بسر کرائیں گے۔ اور ان کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق
ان کو عطا کریں گے۔ پس جب تم قرآن پڑھا کرو تو شیطان مردود سے
اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اس کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے
اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو ان ہی پر چلتا ہے جو اس
کو اپنا رفیق بناتے ہیں اور جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (القرآن)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ
اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾

۹۵ اللہ کے عہد کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۱۴۷

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ
صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

۹۶ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے ۱۴۸۔ اور جن لوگوں نے صبر سے کام لیا ان کو ہم ان کے بہترین اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔ ۱۴۹

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾

۹۷ جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے ۱۵۰۔ اور ان کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق ان کو عطا کریں گے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ
مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾

۹۸ پس جب تم قرآن پڑھا کرو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ۱۵۱

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾

۹۹ اس کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ۱۵۲

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾

۱۰۰ اس کا زور تو ان ہی پر چلتا ہے جو اس کو اپنا رفیق بناتے ہیں اور جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ۱۵۳

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

۱۰۱ اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں، ۱۵۴ ۔۔۔اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس چیز کو جو وہ نازل کرتا ہے۔۔۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنی طرف سے گھڑ لیا کرتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں (کہ حقیقت کیا ہے)۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ
لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۲ کہو اس کو روح القدس ۱۵۵ نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ وہ اہل ایمان کو مضبوطی عطا کرے اور ہدایت و بشارت ہو اسلام لانے والوں کے لئے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ
يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾

۱۰۳ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ حالانکہ اس آدمی کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کر رہے ہیں عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ ۱۵۶

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾

۱۰۴ دراصل جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو راہ نہیں دکھاتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۱۴۷۔ یعنی اگر کسی دنیوی فائدہ کی خاطر تم نے عہد شکنی کی یا لالچ میں آکر تم اسلام سے برگشتہ ہو گئے، تو یاد رکھو یہ فائدہ دنیوی لحاظ سے کتنا ہی بڑا ہو آخرت کے مقابلہ میں نہایت حقیر ہوگا۔ اس لئے آخرت کو مقصود بناؤ اور دنیا کے حقیر فائدوں کی خاطر اپنے دین کو قربان نہ کرو۔

۱۴۸۔ یعنی دنیا کا مال و متاع ختم ہو جانے والا ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔ اس لئے آخرت کو اپنا نصب العین بناؤ اور اس کی نعمتوں کے طالب بنو۔

۱۴۹۔ یعنی ان کڑی آزمائشوں میں جو لوگ حق پر جمے رہیں گے۔ ان کے لئے یہ بہترین اعمال آخرت میں ان کے درجہ کا تعین کریں گے۔ اور ان کو ان بہترین اعمال ہی کے مطابق جزا دی جائے گی۔

۱۵۰۔ اہل ایمان کو آخرت میں جو کامیاب زندگی نصیب ہوگی وہ تو ہوگی ہی۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو نہایت پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا۔ پاکیزہ زندگی میں عقیدہ کی پاکیزگی، ایمان کا نور، قلب کی صفائی، عقل کی جلا، روح کا سکون، آنکھوں کی ٹھنڈک، جسم کی طہارت، عبادت کا حسن، رزقِ حلال، پاکیزہ اخلاق، ذمہ داریوں کا احساس، نیک کاموں سے رغبت اور برائیوں سے نفرت جیسی چیزیں شامل ہیں۔ ایک مؤمن اس پاکیزہ زندگی کو پاکر اپنے دل میں جو حلاوت محسوس کرتا ہے اس کا کوئی اندازہ دنیا پرستوں کو نہیں ہو سکتا۔ اور اس پاکیزہ زندگی کے مقابلہ میں عیش و عشرت کی زندگی بالکل ہیچ ہے۔

۱۵۱۔ یعنی سعادت کی راہ جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہوا قرآن کے ذریعہ تم پر کھل سکتی ہے۔ بشرطیکہ تم قرآن کو پڑھتے ہوئے شیطان سے چوکنا رہو، کیوں کہ شیطان اپنی وسوسہ اندازیوں کے ذریعہ اس بات کے درپے ہوتا ہے کہ آدمی قرآن کو صحیح طور سے سمجھنے نہ پائے۔ وہ ذہن میں الجھنیں پیدا کر کے قرآن کی تعلیم کو غلط باور کرانے کی کوشش کرتا ہے۔

اس حکم کی تعمیل میں قرآن پڑھتے وقت اعوذُ باللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجیم (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے) کے دعائیہ کلمات کہنا ضروری ہے مگر اس کا پورا فائدہ اسی صورت میں آدمی کو پہنچ سکتا ہے جب کہ وہ کلمات پورے شعور کے ساتھ ادا کرے اور قرآن کو سمجھنا چاہے۔

۱۵۲۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حجر نوٹ ۳۹۔

۱۵۳۔ یعنی شیطان ان ہی کو بہکانے میں کامیاب ہوجاتا ہے جو اپنے رب کے بجائے شیطان سے دوستی کر لیتے ہیں۔ اور توحید کو چھوڑ کر شرک کرنے لگتے ہیں۔

۱۵۴۔ قرآن انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح کوئی کتاب نہیں ہے کہ اس کو مکمل کر کے بیک وقت پیش کر دیا جاتا۔ اور اس کے ذریعہ لوگوں کی معلومات میں اضافہ کر دیا جاتا۔ یا کوئی علمی تحقیق پیش کر دی جاتی۔ بلکہ یہ کتاب انسان کے خالق نے اس کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کیلئے نازل کی ہے۔ اسلئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ قرآن پر ایمان لانے والوں کی جو جماعت ابتدائی طور پر تشکیل پائے، اس کو پیش آنے والے حالات کی مناسبت سے بروقت اور برمحل ہدایت دی جاتی رہے۔ تاکہ قرآن کا مدعا بھی خوب واضح ہو اور بروقت رہنمائی مل جانے سے اہل ایمان میں پختگی اور عمل میں مضبوطی کا سامان بھی ہو۔ اس عظیم مصلحت کے پیش نظر قرآن کا نزول بتدریج ہوا اور اس میں اجمال اور تفصیل کا فرق واقع ہوا۔ مثال کے طور پر ابتدائی سورتوں میں توحید کو جامع انداز میں پیش کیا گیا لیکن بعد کی سورتوں میں اس کے تقاضے پیش کئے گئے۔ اسی طرح آغاز میں خدائے واحد کی عبادت کا اجمالی حکم دیا گیا لیکن بعد میں اس کی تفصیلات نماز روزہ وغیرہ بیان ہوئیں۔ کافروں کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صبر کرنے کی ہدایت ہوئی۔ لیکن بعد کے مرحلہ میں انہیں ہجرت کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ اس سورہ میں ہجرت (حبشہ) کا ذکر بھی ہوا ہے۔ کافروں کو فہمائش کرنے کا حکم ہوا لیکن بعد میں ہٹ دھرمی اختیار کرنے والوں کے ساتھ اعراض کرنے کا حکم بھی دیا گیا۔ یہی باتیں ہیں جن کو قرآن نے ایک آیت کی جگہ دوسری آیت لانے سے تعبیر کیا ہے۔ ورنہ ان آیتوں میں نہ کوئی تضاد ہے اور نہ کوئی آیت اصطلاحی معنیٰ میں منسوخ ہے۔ سورۂ نحل ایک مکی سورہ ہے اور وہ بھی وسطی دور کی اس لئے اس وقت تک کوئی حکم ایسا نازل نہیں ہوا تھا جس کو کسی دوسری آیت نے اصطلاحی معنیٰ میں منسوخ قرار دیا ہو۔ لہٰذا ناسخ منسوخ کی اصطلاحی بحث یہاں بے موقع ہے اور آیت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بعد کی آیت کا یہ فقرہ کہ ''تاکہ وہ

اہل ایمان کو مضبوطی عطا کرے'، اس مدعا کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

۱۵۵۔ روح القدس کے معنیٰ ہیں پاک روح۔ یہ جبرائیل کا لقب ہے جو فرشتوں کے سردار ہیں۔ اور نبی ﷺ پر اللہ کی طرف سے ''وحی'' لے کر آیا کرتے تھے۔

۱۵۶۔ قرآن نے نام کی صراحت نہیں کی کہ کون شخص تھا جس کے بارے میں مشرکین کہتے تھے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے۔ روایتوں میں مختلف نام آئے ہیں جن کی صحت مشتبہ ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قابل شخصیت نہیں تھی جس کے بارے میں سکھانے پڑھانے کا شبہ کیا جا سکتا تھا۔ ورنہ وہ شخصیت مشہور ہوتی اور راوی اس کا نام بلا اختلاف نقل کرتے۔

قرآن صراحت کرتا ہے کہ جس شخص کی طرف مشرکین اشارہ کر رہے تھے اس کی زبان عربی نہیں تھی۔ پھر ایسے شخص سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ قرآن کو تصنیف کرے جو فصیح عربی میں ہے اور فصاحت و بلاغت میں جس کی کوئی مثال نہیں۔ مشرکین کے الزام کی تردید کے لئے یہ ایک دلیل کافی تھی، ورنہ غور و فکر سے کام لینے والوں کے لئے تو دلائل کی کمی نہیں جو قرآن کے انسانی کلام ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اور یہ یقین پیدا کرتے ہیں کہ یہ سرتاسر کلام الٰہی ہے۔

جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ وہی ہیں سرتاسر جھوٹے۔ جس کسی نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس سے کفر کیا سوائے اس صورت کے کہ اسے مجبور کر دیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ لیکن جس نے کفر کے لئے سینہ کھول دیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کر لیا۔ اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (القرآن)

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾
مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ
مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۷﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۱۰۸﴾
لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۰۹﴾
ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ
مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾
يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ
نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾
وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً
يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ
اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا
يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾
وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ
فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾

۱۰۵ جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ۱۵۷؎ ۔ وہی ہیں سرتاسر جھوٹے۔

۱۰۶ جس کسی نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس سے کفر کیا سوائے اس صورت کے کہ اسے مجبور کر دیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو ۱۵۸؎ ۔ لیکن جس نے کفر کے لئے سینہ کھول دیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ ۱۵۹؎

۱۰۷ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کر لیا ۱۶۰؎ ۔ اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

۱۰۸ یہی لوگ ہیں، جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی ۱۶۱؎ ۔ اور یہی لوگ ہیں جو غافل ہیں۔

۱۰۹ لازماً یہ لوگ آخرت میں تباہ حال ہونگے۔

۱۱۰ البتہ جن لوگوں نے آزمائشوں میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا ۱۶۲؎ ۔ اور صبر سے کام لیا۔ تو ان (اعمال) کے بعد یقیناً تمہارا رب ان کے لئے بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۱۱۱ اور وہ دن کہ ہر شخص اپنی مدافعت میں جھگڑتا ہوا حاضر ہوگا ۱۶۳؎ ۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں کی جائے گی۔

۱۱۲ اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن و اطمینان کی حالت میں تھی۔ ہر طرف سے اس کو بہ فراغت رزق پہنچ رہا تھا لیکن اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے (اس بستی والوں کے) کرتوتوں کی وجہ سے، ان کو بھوک اور خوف کے طاری ہو جانے کا مزا چکھایا۔ ۱۶۴؎

۱۱۳ اور ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول آیا مگر انہوں نے اسے جھٹلایا۔ بالآخر عذاب نے انہیں آلیا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ ۱۶۵؎

۱۵۷؎ یعنی خدا پر جھوٹ گھڑنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ کی نازل کردہ وحی پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔وحی الٰہی پر ایمان اور خدا کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کرنا دو بالکل متضاد باتیں ہیں۔اس لئے پیغمبر پر تو جھوٹ کا الزام کسی طرح عائد نہیں ہوتا۔البتہ یہ الزام مشرکین پر اور پیغمبر کی مخالفت کرنے والوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنے عقیدہ اور اپنے مذہب کو یا تو خود گھڑا ہے یا گھڑنے والوں کی پیروی کر رہے ہیں۔بہر صورت وہ جھوٹے ہیں۔

۱۵۸؎ اس آیت میں ان لوگوں کو جنہیں کفر کا کلمہ زبان سے نکالنے پر بالکل مجبور کر دیا گیا ہو،ایسا کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دیدی گئی ہے کہ وہ اپنے دل سے ایمان پر مطمئن ہوں۔یہ اجازت بس رخصت ہے ورنہ عزیمت کی بات یہی ہے کہ ایک مسلمان جان کی بازی لگائے لیکن کلمۂ کفر اپنی زبان سے نہ نکالے۔اس کی بہترین مثالیں حضرت یاسر اور حضرت سمیّہ (رضی اللہ عنہما) کی ہیں،کہ مشرکوں نے ان پر سخت ظلم توڑے اور بالآخر انہیں قتل کر دیا لیکن وہ کفر کا کلمہ کہنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت یاسر پہلے مسلمان ہیں اور حضرت سُمیَّہ پہلی مسلمان خاتون ہیں،جنہوں نے مکہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۱۵۹؎ یعنی جو کفر پر راضی ہوگا اور جس کے عقائد کافرانہ ہوں گے،وہ اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ نہ سکے گا۔

۱۶۰؎ واضح ہوا کہ دنیا کے مفاد کو آخرت کے مفاد پر ترجیح دینا کافروں کا کام ہے۔

۱۶۱؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۵؎۔

۱۶۲؎ یہاں جہاد سے مراد وہ جدوجہد ہے جو سخت ناسازگار حالات میں جان پر کھیل کر اللہ کے دین کو پھیلانے کیلئے کی جائے۔

۱۶۳؎ یعنی قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی اپنی نجات کی فکر لاحق ہوگی۔اور وہ اپنی مدافعت میں طرح طرح کے عذرات پیش کرے گا۔

۱۶۴؎ یہ مثال کے پیرایہ میں مکہ والوں ہی کا حال بیان ہوا ہے۔وہ امن وامان اور چین کی زندگی بسر کر رہے تھے اور غذائی اجناس بھی ہر طرف سے وہاں پہنچ رہی تھیں،لیکن انہوں نے اللہ کی ان نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے ناشکری کی۔جس کی وجہ سے اللہ نے ان پر قحط سالی مسلط کر دی۔یہ قحط ایسا سخت رہا کہ فاقوں تک کی نوبت آگئی اور جانوں کی ہلاکت کا خوف لاحق ہوگیا۔

۱۶۵؎ اوپر مکہ والوں کا جو حال بیان ہوا یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے ایک رسول برپا کیا۔لیکن بجائے اس کے کہ وہ اللہ کے اس احسان کی قدر کرتے انہوں نے رسول کو رسول ماننے سے انکار کر دیا۔اور شرک پر جو سب سے بڑا ظلم ہے جمے رہے۔بالآخر اللہ نے ان کو سخت سزا دی۔یہ سزا انہیں مستقبل قریب میں لازماً ملنے والی تھی اس لئے اسے اس طرح بیان فرمایا کہ گویا سزا انہیں مل ہی گئی۔

مشرکین مکہ پر سزا (عذاب) کی صورت یہ ہوئی کہ ان آیتوں کے نزول کے چند ہی سال بعد بدر کا معرکہ پیش آیا،جس میں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔اور اس کے بعد دوسری معرکہ آرائیاں بھی ہوئیں۔اس طرح اللہ کا عذاب مسلمانوں کی تلواروں کی شکل میں ان پر ایسا ٹوٹ پڑا کہ اس علاقہ میں نہ کہیں شرک کا وجود رہا اور نہ مشرک کا۔

❑❑❑❑❑❑

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾

۱۱۴ پس اللہ نے جو حلال اور پاکیزہ رزق تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔ اور اللہ کی نعمت کا شکرادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔۱۶۶؎

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾

۱۱۵ اس نے تو تم پر صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ (ذبیحہ) حرام ٹھہرایا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو ۱۶۷؎۔ پھر جو کوئی مجبور ہو جائے اور نہ تو اس کا خواہشمند ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا، تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔۱۶۸؎

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿١١٦﴾

۱۱۶ اور تمہاری زبانیں جو جھوٹے حکم لگاتی ہیں اس کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرنے لگو ۱۶۹؎۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پائیں گے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾

۱۱۷ یہ تھوڑا سا عیش ہے پھر ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔۱۷۰؎

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾

۱۱۸ اور یہود پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دیں تھیں جو ہم اس سے پہلے تم سے بیان کر چکے ہیں ۱۷۱؎۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ ۱۷۲؎

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾

۱۱۹ البتہ تمہارا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت کی وجہ سے بُرا عمل کیا پھر توبہ کر کے اصلاح کر لی تو یقیناً تمہارا رب اس کے بعد (ان کے لئے) بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۷۳؎

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ ﴿١٢٠﴾

۱۲۰ یقیناً ابراہیم ایک مثالی شخصیت تھے ۱۷۴؎۔ اللہ کے اطاعت گزار ۱۷۵؎۔ اور اسی کے ہو کر رہنے والے ۱۷۶؎۔ وہ کبھی مشرک نہیں رہے۔ ۱۷۷؎

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾

۱۲۱ اس کی نعمتوں کے وہ شکر گذار تھے ۱۷۸؎ ۔ اس نے ان کو چن لیا ۱۷۹؎ ۔ اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ۱۸۰؎

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ ﴿١٢٢﴾

۱۲۲ ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کی ۱۸۱؎۔ اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے۔ ۱۸۲؎

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کے طریقہ پر چلو جو راست رو تھے اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ۱۸۳؎

۱۶۶ا۔ مشرکین بت پرستی کے باوجود دعویٰ خدا پرستی کا کرتے تھے۔اس لئے ان سے کہا گیا کہ اگر واقعی تم خدائے واحد کے پرستار ہوتو ضروری ہے کہ اس کے بخشے ہوئے رزق کو جو پاکیزہ بھی ہے اور جسے اس نے حلال بھی ٹھہرایا ہے بے تکلف کھاؤ۔اور مشرکانہ وہم پرستی میں مبتلا ہوکر ایسی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام نہ ٹھہراؤ۔اسی طرح خدا پرستی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اسی کی بخشی ہوئی نعمتوں پر اسی کا شکر ادا کرو۔یعنی غیر اللہ کے نام پر جانور کو ذبح کرنا، غیر اللہ کے تقرب کے لئے نذریں پیش کرنا، غیر اللہ کی پرستش کے ہم معنیٰ اور خدائے واحد کی پرستش کے منافی ہے۔

یہ اشارہ ہے مشرکین کی توہم پرستی کی طرف جس میں مبتلا ہوکر وہ بعض چوپایوں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔پھر نہ ان کا دودھ پیتے، نہ ان پر سواری کرتے اور نہ ان کا گوشت کھاتے۔اس طرح وہ خدا کے حلال کو حرام ٹھہرانے کے بھی مرتکب ہوتے۔اور اس کی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرکے اس کی ناشکری بھی کرتے۔نیز اللہ کے تقرب کا ذریعہ بھی بناتے۔

(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ نوٹ ۲۴۹ا۔ اور سورۂ انعام نوٹ ۲۵۱ا۔ اور ۲۵۳ا۔) یہاں ان جانوروں کو کھانے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں کے لئے نامزد کرکے تم نے ان کے اندر جو ''مذہبی تقدس'' پیدا کر دیا ہے اس کو ختم کرو۔اور اللہ کے بخشے ہوئے چوپایوں کو اللہ کا احسان مان کر صرف اس کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔

۱۶۷ا۔ ان چیزوں کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۲۰۹ا۔ تا ۲۱۳ا۔

واضح رہے کہ ذبیحہ وہی جائز ہے جو صرف اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو کیوں کہ ذبح کرنے کا فعل بجائے خود تقرب اور عبادت ہے۔اس لئے اس موقع پر اللہ کے نام کیساتھ کسی اور کا نام شامل کرنا اس تقرب اور عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنا ہے۔اگر کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اور ساتھ ہی کسی ولی یا پیر کا نام بھی، تو یہ غیر اللہ ہی کے ذبیحہ کے حکم میں ہوگا۔

۱۶۸ا۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۲۱۴ا۔ میں گذر چکی۔

۱۶۹ا۔ کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے اس کے بارے میں یہ حکم دیا ہے۔اس دعوے کے پیچھے لازماً کوئی دلیل ہونی چاہئے۔اور یہ دلیل اللہ کی شریعت ہی ہوسکتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے توسط سے انسان کو ملتی ہے۔اس لئے کسی شرعی دلیل کے بغیر محض اپنی خواہش سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ہے۔

یہ تو تھا مشرکین کا جھوٹ۔لیکن اس سے بڑا جھوٹ وہ ہے جو موجودہ دور کے لامذہب لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔اور وہ یہ کہ خدا کا کوئی وجود نہیں بلکہ وہ انسانی ذہن کی تخلیق ہے، لہٰذا حلال وحرام کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔(**نعوذ باللہ مِن ذٰلک**)

۱۷۰ا۔ یعنی اللہ پر جھوٹ بولنے والے دنیا میں تھوڑے دن مزے کر سکتے ہیں۔لیکن نہ ان کی یہ دنیوی زندگی حقیقۃً کامیاب ہے اور نہ آخرت کی کامیابی انہیں کبھی نصیب ہوسکے گی۔وہاں تو انہیں دردناک عذاب ہی بھگتنا ہوگا۔

۱۷۱ا۔ اشارہ ہے سورہ انعام آیت ۱۴۶ کی طرف۔

واضح رہے کہ سورۂ انعام جیسا کہ مضمون سے اندازہ ہوتا ہے سورۂ نحل کے بعد نازل ہوئی ہے۔لیکن سورۂ نحل کی یہ چند آیتیں جن میں یہود کے تعلق سے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں، سورۂ انعام کے بعد نازل ہوئیں۔اور مضمون کی مناسبت سے ان کی جگہ سورۂ نحل میں قرار پائی۔

۱۷۲ا۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۲۶۶ا۔

۱۷۳ا۔ یہ آیت ان لوگوں کو جو جہالت کی بنا پر غلط مذہبیت کا شکار رہے ہیں توبہ اور اصلاح کی دعوت دیتی ہے۔

۱۷۴ا۔ متن میں لفظ ''اُمَّۃً'' استعمال ہوا ہے جس کے متعدد معنیٰ ہیں۔ایک معنیٰ اس شخصیت کے ہیں جو بے مثال ہو۔اور دوسرے معنیٰ امام اور معلم خیر کے

ہیں۔(لسان العرب ج ۱۲ ص ۲۷) ابن تیمیہ نے اس کو'' القدوۃ'' مثالی شخصیت کے معنیٰ میں لیا ہے۔(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۷ ص ۴۸۳) اور ہم نے اسی معنیٰ کو ترجیح دی ہے ۔

ابراہیم علیہ السلام کی اس خصوصیت کو بیان کرنے سے مقصود مشرکین پر، جو آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے اور آپ کی پیروی کا دعویٰ کرتے تھے، یہ واضح کرنا ہے کہ ابراہیم جس ماحول میں پیدا ہوئے وہ پوری طرح مشرکانہ تھا۔لیکن ان کی شخصیت ایک منفرد اور ممتاز شخصیت تھی جو موحد بن کر ابھری اور جس نے دنیا کو توحید کا سبق دیا۔اس لئے وہ موحدین کے امام ہیں نہ کہ مشرکین کے۔اور اگر تمہیں واقعی ان کی پیروی کرنا ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو۔آگے ان کے دوسرے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو ان کی جامع اور مثالی شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔

۱۷۵۔ متن میں لفظ قانت استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں وہ شخص جو دائمی طور پر فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں:''قنوت کے معنیٰ دوام اطاعت کے ہیں اور قانت وہ ہے جو دائمی طور پر اللہ کی اطاعت کرے۔''

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۵ ص ۲۳)

۱۷۶۔ متن میں لفظ''حنیف'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں راست رو اور اللہ ہی کا ہو کر رہنے والا۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: فھو امستقیم القلب الی اللہ دون ماسواہ

''حنیف یعنی اپنے دل سے اللہ کی طرف رخ کرنے والا۔کسی اور کی طرف نہیں''(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۸ ص ۳۲)

۱۷۷۔ ابراہیم کبھی مشرک نہیں رہے۔اس لئے تمہارا اپنے مشرکانہ مذہب کو ان کی طرف منسوب کرنا سراسر غلط ہے۔

معلوم ہوا کہ ابراہیم اپنی زندگی میں کبھی شرک کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔اس لئے تارے کو دیکھ کر انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کو شرک پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔بلکہ وہ محض بحث وجدال کی بات تھی (ملاحظہ ہو سورہ انعام نوٹ ۱۳۱) ۔

۱۷۸۔ یعنی وہ خدا کی نعمتوں پر خدا ہی کا شکر ادا کرتے تھے اور اسکے احسان شناس تھے۔

۱۷۹۔ یعنی ابراہیم کو اللہ نے نبوت کے لئے چن لیا تھا۔

۱۸۰۔ یعنی نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد دین (اسلام) کی راہ پوری طرح ان پر کھول دی جو سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔

۱۸۱۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو بھلائی عطا فرمائی اس میں عزت وسرفرازی، اسمٰعیل اور اسحاق جیسے فرزند، شام کا بابرکت علاقہ، مکہ کی روح پرور سرزمین اور خیر کے کاموں کے لئے وسائل کی فراوانی جیسی چیزیں شامل ہیں۔نیز یہ بات بھی کہ سچائی کی زبانیں رہتی دنیا تک ان کے لئے بلند رہنے والی ہیں۔سلام ہو ابراہیم پر۔

۱۸۲۔ آخرت کی کامیابی کے لئے شرط اول صالح ہونا ہے درجات کی بلندی اس کے بعد ہے۔ابراہیم نے دنیا میں صالح زندگی گذاری تھی اس لئے آخرت میں بھی وہ صالح ہوں گے۔

۱۸۳۔ ابراہیم کے طریقہ (ملت) سے مراد ابراہیم کا دین، اور ان کی شریعت، سادہ شریعت تھی جسمیں وہ پابندیاں نہیں تھیں، جو یہود پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے عائد کردی گئی تھیں۔اور حج کے مناسک ابراہیم کی شریعت ہی کا جزو ہیں۔

قرآن کا نزول ابراہیم کے دین اور ان کی شریعت کو زندہ کرنے ہی کے لئے ہوا ہے۔اور ان کے طریقہ پر چلنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی راہ وہی ہے جو ابراہیم کی تھی۔لہٰذا قرآن کی راہ پر چلنا ابراہیم کی راہ پر چلنا ہے۔برخلاف اس کے مشرکین عرب کی راہ ابراہیم کی راہ نہیں ہے۔

سبت کی پابندی ان ہی لوگوں پر عائد کی گئی تھی جنہوں نے
اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ اور یقیناً تمہارا رب
قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمادے
گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ اپنے رب کے
راستہ کی طرف دعوت دو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ
اوران کے ساتھ بحث کرو بہترین طریقہ پر۔ تمہارا رب ہی
بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی
بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ (القرآن)

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

۱۲۴ سبت کی پابندی ان ہی لوگوں پر عائد کی گئی تھی جنھوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا۱۸۴؎۔ اور یقیناً تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔۱۸۵؎

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ
بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾

۱۲۵ اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان کے ساتھ بحث کرو بہترین طریقہ پر۱۸۶؎۔ تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ
صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾

۱۲۶ اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور اگر صبر کرو تو یقیناً یہ بات صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔۱۸۷؎

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي
ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾

۱۲۷ اور (اے پیغمبر!) صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان لوگوں (کے حال) پر غم نہ کرو اور نہ ان کی چالوں سے دل تنگ ہو۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾ ع

۱۲۸ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو نیک کردار ہیں۔

۱۸۴۔ سبت (سنیچر کا دن منانے) کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۲۵۰ میں گذر چکی۔

یہاں یہ جو فرمایا کہ سبت کی پابندی صرف ان لوگوں پر عائد کی گئی تھی، جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا، تو اس کی صحیح اور بہترین تشریح وہ ہے جو حدیث میں بیان ہوئی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الاٰخِرُوْنَ السَّابِقُونَ یَوْمَ الْقِیَامَۃَ بَیْدَ اَنَّھُمْ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبلنا وَاُوْتِیْنَاہُ مِنْ بَعْدِھِم فَھٰذا یَوْمَھُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْھِم فَاخْتَلَفُوا فِیْہِ فَھَدا نا اللّٰہُ لَہٗ فَھُمْ لَنَا فِیْہِ تَبَعٌ فَالْیَھُوْدُ غداً وَالنَّصَارٰی بَعْدَ غدٍ۔ (مسلم کتاب الجمعۃ)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بعد میں آنے والی امت ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ گو ان لوگوں کو کتاب ہم سے پہلے ملی اور ہم کو ان کے بعد۔ یہ (جمعہ کا) دن ہی ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ نے اس معاملہ میں ہم کو ہدایت دی۔ اب وہ ہمارے پیچھے رہ گئے۔ یہود کل کے لئے اور نصاریٰ پرسوں کے لئے۔''

مطلب یہ ہے کہ یہود کو ابتداء میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کے دن کو اللہ کے مخصوص احکام کی بجا آوری کے لئے خاص کر لیں۔ لیکن انہوں نے اپنے نبی سے اس معاملہ میں اختلاف کیا اور اس بات پر مصر ہوئے کہ سنیچر کے دن کو مقرر کیا جائے۔ ان کے اس اختلاف کے بہ سبب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سنیچر کا دن مقرر کیا۔ اور ساتھ ہی انہیں اس دن کو منانے کے تعلق سے سخت احکام دئے۔ اگر وہ جمعہ کو قبول کر لیتے تو اتنے سخت احکام نہیں دئے نہ جاتے۔ اس کے بعد جب نصاریٰ آئے تو انہوں نے سبت کے معاملہ میں اختلاف کر کے اتوار کا دن اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ لیکن امت محمدیہ نے اللہ کے فضل سے جمعہ کے دن کو پا لیا۔ ان کو جب جمعہ کے دن مخصوص عبادت کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اس طرح جمعہ کا دن جس سے حقیقتاً ہفتہ کا آغاز ہوتا ہے امت محمدیہ کے حصہ میں آیا۔ یہود سنیچر کی وجہ سے ایک دن پیچھے رہ گئے اور نصاریٰ اتوار کی وجہ سے دو دن پیچھے۔

یہود کو گائے کے ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں بھی انہوں نے، جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۶۷ تا ۷۱ میں گذر چکا ہے طرح طرح کے سوالات پیدا کئے تھے۔ اسی طرح انہوں نے اس کلمہ کو بھی بدل دیا تھا جو انہیں ایک شہر کے اندر فاتحانہ پیش قدمی کرتے ہوئے ادا کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۵۸) اس لئے ان سے یہ بات بعید نہیں کہ جب ان سے جمعہ کا دن مخصوص کرنے کے لئے کہا گیا ہو تو انہوں نے اس سے اختلاف کیا ہو۔ اور ان کے اس اختلاف اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بجائے جمعہ کے سنیچر کا دن منانے کا حکم دیا ہو۔ اور پھر پابندیاں بھی سخت عائد کر دی ہوں۔

رہے نصاریٰ تو انہوں نے یہود سے اختلاف کرتے ہوئے سنیچر کے بجائے اتوار کا دن اپنے لئے مخصوص کر لیا، حالانکہ وہ تورات کو مانتے ہیں۔

چنانچہ بائبل کا شارح لکھتا ہے:

"The changeover from Sabbath (Saturday in the Gentile Calender) to Sunday as the day of worship was accomplished by the early 2nd Cent."

(The Interpreters commentary on the Bible p. 650)

اس آیت میں دراصل مشرکین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ نبی سبت کا حکم کیوں نہیں دیتا انہیں جواب دیا گیا ہے کہ سبت کا حکم ابراہیم کی شریعت میں نہیں تھا۔ بلکہ یہود کو مخصوص وجوہ کی بنا پر دیا گیا تھا۔ اور چونکہ اس نبی کو بنیادی طور پر وہی شریعت دی گئی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس لئے اس شریعت میں سبت جیسی سخت پابندیاں نہیں ہیں۔

۱۸۵۔ یعنی ان سارے اختلافات کا جو خدا کے دین اور اس کی شریعت کے بارے میں پیدا کر دئے گئے ہیں، آخری فیصلہ قیامت کے دن ہی ہو سکے گا۔

۱۸۶؎ اللہ کے راستے یعنی دین حق کی طرف دعوت دینے کے تین طریقے یہاں بیان کئے گئے ہیں:
پہلا طریقہ حکمت کا ہے۔ یعنی ایسی باتیں جو عقل و ذہن کو اپیل کرنے والی ہوں، جن میں وہ دلائل شامل ہیں جو انسان کی فطرت کے اندر راسخ ہیں۔ نیز آثار کائنات سے استدلال بھی۔ یہ طریقہ اہل دانش اور اصحاب فکر کے لئے زیادہ موزوں ہے۔
دوسرا طریقہ موعظت حسنہ کا ہے یعنی دل کو اپیل کرنے والی اور اس میں سوز و گداز پیدا کرنے والی باتیں پیش کرنا، تاکہ قلوب نصیحت کی باتیں قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ یہ ''وعظ گوئی'' نہیں بلکہ تعلیم و تربیت اور ارشاد و تذکیر ہے۔ اس میں انبیائی تاریخ سے عبرت آموز باتیں پیش کرنا، موت کو یاد دلانا، آخرت کی جزا و سزا کو بیان کرنا جیسی چیزیں شامل ہیں اور یہ طریقہ عامة الناس کے لئے زیادہ مفید ہے۔
رہا تیسرا طریقہ تو وہ جدال احسن کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بحث و مباحثہ کی ضرورت ہو تو اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ بات کو پیش کرنے کا بہتر ڈھنگ اختیار کیا جائے۔ یعنی کسی بات کو رد کیا جائے تو معقولیت کے ساتھ اور کسی اعتراض کا جواب دیا جائے تو خوبی کے ساتھ۔ اور اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے کہ مخاطب میں چڑ، کد، ضد، اور اشتعال پیدا نہ ہو ورنہ وہ اصل دعوت سمجھنے پر آمادہ نہ ہوگا۔
دعوت کے اصل طریقے دو ہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور بحث و مباحثہ کا طریقہ ضرورةً ہی اختیار کرنے کا ہے۔ اور اس کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مخاطب کی طرف سے اعتراضات، شبہات، یا کوئی باطل نظریہ و فلسفہ پیش کیا جا رہا ہو۔ قرآن میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم سے اور نمرود سے مباحثہ، انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کے سلسلہ میں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات وغیرہ۔
۱۸۷؎ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مکہ میں مشرکین، اہل ایمان پر نہایت سخت مظالم ڈھا رہے تھے۔ ان کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خدائے واحد پر ایمان لائے تھے۔ وہ مٹھی بھر افراد تھے اور ابھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اجتماعی طور پر اپنی طاقت کا استعمال کریں۔ ان حالات میں ان کو صبر کی تلقین کی گئی، لیکن اس بات کی اجازت بھی دی گئی کہ اگر وہ ظالم سے بدلہ لینا چاہیں تو برابری کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ یعنی جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اتنی ہی زیادتی تم اس کے ساتھ کر سکتے ہو۔ اس سے آگے بڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔
اس سے یہ اصولی رہنمائی ملتی ہے کہ ایک غیر اسلامی سوسائٹی میں ایک مسلمان کے لئے خواہ وہ داعی ہی کیوں نہ ہو، اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اینٹ کا جواب اینٹ سے دے۔

۱۷۔ بنی اسرائیل

نام ابتدائی آیتوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک اہم باب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس مناسبت سے سورہ کا نام بنی اسرائیل قرار پایا ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے یعنی ۱۲ھ نبوی میں نازل ہوئی ہو گی۔

مرکزی مضمون بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل (مشرکین عرب) دونوں کو متنبہ کرنا ہے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کو اس نبی کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔اگر تم اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے اور ہمارے رسول سے ٹکر لی تو یاد رکھو اللہ کا تازیانہ تم پر برس کر رہے گا۔اگر سنبھلنا چاہتے ہو تو نبی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے بجائے ان تعلیمات کو قبول کرلو جو اس پر نازل کی گئی ہیں۔

نظم کلام آغاز معراج کے واقعہ سے ہوا ہے۔جس میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں پر نبی اور اس کے پیرووں کا غلبہ ہونے والا ہے۔

آیت ۲ تا ۸ میں مسجد اقصیٰ کے تعلق سے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے عبرت آموز واقعات سنا کر متنبہ کر دیا گیا ہے۔

آیت ۹ تا ۲۲ میں قرآن کی دعوت کو پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۲۳ تا ۳۹ میں ربانی تعلیمات بیان ہوئی ہیں جو انسان کے کردار کو سنوارتی ہیں۔اور اس کے رب سے اس کا تعلق استوار کرتی ہیں۔

آیت ۴۰ تا ۶۰ میں منکرین کے شبہات واعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

آیت ۶۱ تا ۶۵ میں ابلیس کے اس واقعہ کو پیش کیا گیا ہے جس میں اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے بنی نوع انسان کے ساتھ دشمنی کرنے اور اسے گمراہ کرنے کا ذکر ہے۔اور وہی آج لوگوں کو قرآن سے متنفر کر رہا ہے۔ضروری ہے کہ لوگ اپنے دشمن سے چوکنا رہیں۔

آیت ۶۶ تا ۷۲ میں توحید اور آخرت کا یقین پیدا کرنے والی باتیں پیش کی گئی ہیں۔

آیت ۷۳ تا ۷۷ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کہ آپ مخالفتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے، راہِ حق پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں۔

آیت ۷۸ تا ۸۲ میں نماز کی تاکید، ہجرت کی طرف اشارہ کہ عنقریب یہ واقعہ پیش آنے والا ہے۔غلبۂ حق کی بشارت اور ظالموں کو تنبیہ۔

آیت ۸۳ تا ۱۰۰ میں انسان کے غلط طرز عمل پر گرفت اور منکرین کے اعتراضات کے جوابات۔

آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴ میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر اور یہ وضاحت کہ معجزات کو دیکھ لینے کے باوجود، فرعون ایمان نہیں لایا اور بالآخر اس پر عذاب ٹوٹ پڑا۔

آیت ۱۰۵ تا ۱۱۱ خاتمہ کلام ہے۔جس میں خدا کو پکارنے کے آداب کو ملحوظ رکھنے اور اس کی عظمت وکبریائی بیان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ اللہ کے لئے پاکی ہے اور اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ وہ نہایت باعظمت ہستی ہے۔لہٰذا اس کی کبریائی بیان کرو۔

سُوْرَةُ الْاِسْرَاءِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ
اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾
وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ؕ ﴿۲﴾
ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾
وَ قَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ
مَرَّتَیْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴﴾
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ
شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴿۵﴾
ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَیْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ
وَّ بَنِیْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ﴿۶﴾
اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَ لِیَدْخُلُوا
الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا ﴿۷﴾
عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ﴿۸﴾

(۱۷) سُورۃُ بنی اسرائیل

آیات ۱۱۱

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے گرد و پیش ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہی ہے سب کچھ سننے والا دیکھنے والا۔ ۱ـ

۲ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی ۲ـ اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ میرے سوا کسی کو اپنا معتمد نہ بناؤ۔ ۳ـ

۳ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا ۴ـ۔ وہ واقعی ایک شکر گذار بندہ تھا۔

۴ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ ۵ـ

۵ پھر جب پہلے وعدہ کا وقت آ گیا تو ہم نے تم پر ایسے بندے مسلط کر دیئے جو بڑے زور آور تھے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے۔ اور وعدہ پورا ہو کر رہا۔ ۶ـ

۶ پھر ہم نے ان کے مقابلہ میں تم کو غلبہ دیا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہاری تعداد بڑھا دی۔ ۷ـ

۷ اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے ہی لئے کی۔ اور اگر برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی لئے کی ۸ـ۔ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے پھر زور آور بندے تمہارے خلاف اٹھائے تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ اور اسی طرح مسجد میں گھس پڑیں جس طرح پہلی مرتبہ گھس پڑے تھے۔ اور جس چیز پر ان کا بس چلے تباہ کر کے رکھ دیں۔ ۹ـ

۸ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔ لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم پھر اسی طرح سزا دیں گے ۱۰ـ۔ اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔ ۱۱ـ

۱۔ اس آیت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ اسراء اور معراج کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر ایک رات میں کرا دینے کی صراحت کی گئی جو معراج کا پہلا مرحلہ تھا۔ رہا دوسرا مرحلہ جس میں آپ کو ساتویں آسمان تک واقع سدرۃ المنتہٰی تک کا مشاہدہ کرایا گیا تو اس کا ذکر سورہ نجم میں ہوا ہے۔ اس لئے ہم یہاں ان ہی باتوں کی تشریح پر اکتفاء کرتے ہیں جو پہلے مرحلہ یعنی اسراء (بیت المقدس تک کے سفر) سے تعلق رکھتی ہیں۔

آیت میں عبد (بندہ) سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اللہ کا یہ ارشاد کہ وہ اپنے بندہ کو لے گیا، اس کی عنایت خاص کا مظہر ہے جو اس بندہ پر ہوئی۔

مسجد حرام سے مراد مکہ کہ وہ حرمت والی مسجد ہے جس کے درمیان خانۂ کعبہ واقع ہے اور جس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ (تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح) دور کی مسجد سے مراد مسجد اقصیٰ ہے جو بیت المقدس میں واقع ہے۔ اقصیٰ کے معنیٰ دور والی کے ہیں۔ اس سے قرآن کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بیت المقدس کی مسجد مکہ کی مسجد حرام سے کافی دوری پر ہے۔ لیکن یہ طویل فاصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لئے ایک رات کے کچھ حصہ میں طے کرا دیا۔ قرآن کے ان الفاظ کی مناسبت سے بیت المقدس کی اس تاریخی مسجد کا نام مسجد اقصیٰ مشہور ہوا۔ ورنہ نزول قرآن کے وقت اس کا یہ اصطلاحی نام نہ تھا۔ بیت المقدس کی یہ مسجد سلیمان علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح میں (غالباً ۹۵۹ قبل مسیح میں) تعمیر کی تھی، جو بنی اسرائیل کے لئے دعوت اسلامی اور دینی سرگرمیوں کا مرکز ہونے کے علاوہ قبلہ قرار پائی تھی۔

اس کے گردوپیش برکتیں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پورا علاقہ دینی اور دنیوی برکتوں سے مالا مال ہے۔ جہاں تک دینی برکتوں کا تعلق ہے یہ سرزمین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور حضرت اسحاق کا مسکن قرار پائی۔ نیز بنی اسرائیل کے متعدد انبیاء علیہم السلام کا ظہور یہاں ہوا اور انہوں نے اس سرزمین پر وہ نقوش چھوڑے جو دنیا والوں کی دین حق کی طرف رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ یہاں حضرت سلیمان کو بے مثال سلطنت عطاء ہوئی اور بنی اسرائیل کو وہ کچھ بخشا گیا جو دنیا کی کسی قوم کو نہیں بخشا گیا تھا۔ گویا اس زمین کا چپہ چپہ انبیاء علیہم السلام کی یادگار ہونے کی وجہ سے دینی دولت کے خزانے اگلتا رہا ہے۔ رہا دنیوی برکتوں سے اس کا مالا مال ہونا تو یہ علاقہ بڑا زرخیز اور سرسبز وشاداب ہے۔ اور بائبل میں تو اس کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ یہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

مکہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً ایک ہزار میل ہے۔ اس زمانہ میں یہ سفر چالیس دن میں طے ہوتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ سفر معجزانہ طور پر ایک رات کے اندر ہی طے کرا دیا حدیث میں آتا ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر گئے تھے اور حضرت جبرائیل آپ کے ساتھ تھے یعنی یہ سفر برق رفتار سواری پر ہوا تھا۔ یہ بات اس زمانہ میں بہت عجیب معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں جب کہ انسان تیز رفتار ہوائی جہاز اور راکٹ ایجاد کر چکا ہے، عجیب نہیں رہی۔ جب انسان مہینوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کر سکتا ہے تو کائنات کا رب کیا اس بات پر قادر نہیں، کہ مکہ سے بیت المقدس کا سفر منٹوں میں طے کرا دے؟

اسی لئے اس سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ یعنی یہ معجزاتی سفر کرانا اللہ کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں۔ جو لوگ اس کو ناممکن خیال کرتے ہیں وہ اللہ کی قدرت کا بالکل غلط اندازہ لگاتے ہیں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر جسمانی تھا اور بیداری کی حالت میں تھا۔ اگر محض روحانی سفر ہوتا یا خواب کی حالت میں ہوتا تو نہ اس کو اس طرح تعبیر کیا جاتا کہ ہم اپنے بندے کو ایک رات لے گئے اور نہ ہی لوگوں کے لئے یہ بات وجہ آزمائش بن جاتی۔

جو شخص بھی صاف ذہن سے آیت کا مطالعہ کرے گا وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا، کہ اس کے ذریعے ایک غیر معمولی واقعہ کی خبر دی جا رہی ہے۔ اور بخاری کی اس حدیث سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر (خانۂ کعبہ کے خارجی حصہ) میں کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اللہ نے مجھ پر بیت المقدس کو آشکارا کر دیا۔ میں اس کو دیکھ کر اس کی علامتیں ان کو بتاتا جاتا تھا۔" (بخاری حدیث الاسراء)

اس پر بھی اگر لوگ بحث میں اُلجھتے ہیں تو انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی سب باتیں سن رہا ہے اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اسے دیکھ رہا ہے۔

رہا اس سفر کا مقصد تو آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اپنی کچھ نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو مسجد اقصیٰ میں پائی جاتی

ہیں اور جو توحید، خدائے واحد کی عبادت، انبیاء علیہم السلام کی متفقہ دعوت اور دین حق کے لئے ان کی جدوجہد نیز بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی تاریخ اور اللہ کے قانون جزا وسزا پر دلالت کرتی ہیں۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی القبلتین بنایا جا رہا تھا، اس لئے مسجد اقصیٰ کا یہ مشاہدہ کافی اہمیت رکھتا تھا۔ ان نشانیوں کے علاوہ عجائبات قدرت کی نشانیاں بھی دکھانا مقصود تھا۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ کس مہینہ میں اور کس تاریخ کو پیش آیا اس کی صراحت نہ قرآن نے کی ہے اور نہ حدیث نبوی نے۔ رہ گئیں روایات تو وہ اس بارے میں مختلف ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس رات کو سال بہ سال منانا مقصود نہ تھا اور نہ اس کی صراحت قرآن یا حدیث میں کی جاتی۔ رہا مسلمانوں کا ستائیسویں رجب کو شب معراج منانا تو یہ مسلمانوں کی اپنی ایجاد ہے۔ دین میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ نہ اس رات کو عبادت کے لئے خاص کیا گیا ہے اور نہ معراج کا جشن منانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ یعنی تورات۔

۳۔ تورات میں آج بھی توحید کا سبق موجود ہے۔ مثال کے طور پر ''خروج'' میں ہے:

''خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔'' (خروج ۲۰: ۲۔۳)

۴۔ یعنی اے انسان! بنی اسرائیل سمیت تم سب ان لوگوں کی نسل سے ہو جن کو نوح کی کشتی میں سوار کرا کے طوفان سے بچا لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان پوری انسانیت پر ہے، اس لئے ہر شخص کو اس کا شکر گزار بننا چاہئے۔ اور شکر گزار اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ وہ اللہ کو اپنا محسنِ حقیقی مان لے۔

۵۔ کتاب سے مراد جیسا کہ اوپر گزرا موسیٰ کی کتاب یعنی تورات ہے۔ اس میں یہ پیشگی خبر دی گئی تھی کہ بنی اسرائیل ملک میں دو مرتبہ فساد عظیم برپا کریں گے اور زبردست سرکشی کریں گے جس کے نتیجہ میں ان کو دونوں ہی مرتبہ تباہی سے دوچار ہونا ہوگا۔ یہ مضمون موجودہ تورات میں ان الفاظ میں تو باقی نہیں رہ سکا ہے البتہ اس خبر کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔

احبار میں ہے:

''لیکن اگر تم میری نہ سنو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو۔۔۔۔۔ بلکہ میرے عہد کو توڑ دو تو میں بھی تمہارے ساتھ اسی طرح پیش آؤں گا۔۔۔۔۔ اور تم اپنے دشمنوں کے آگے شکست کھاؤ گے اور جن کو تم سے عداوت ہے وہی تم پر حکمرانی کریں گے۔۔۔۔۔ اور تم ان سب باتوں پر بھی میری نہ سنو اور میرے خلاف ہی چلتے رہو تو میں اپنے غضب میں تمہارے برخلاف چلوں گا۔۔۔۔۔ اور میں تمہاری پرستش کے بلند مقاموں کو ڈھا دوں گا۔۔۔۔۔ اور میں تمہارے شہروں کو ویران کر ڈالوں گا اور تمہارے مقدسوں کو اجاڑ بنا دوں گا۔۔۔۔۔ اور میں تم کو غیر قوموں میں پراگندہ کر دوں گا اور تمہارے پیچھے تلوار کھینچے رہوں گا اور تمہارا ملک سونا ہو جائے گا اور تمہارے شہر ویران بن جائیں گے۔'' (احبار ۲۶: ۱۴ تا ۳۳)

اور استثناء باب ۲۸ میں ہے:

''اگر تو اس شریعت کی ان سب باتوں پر جو اس کتاب میں لکھی ہیں احتیاط رکھ کر اس پر عمل نہ کرے کہ تجھ کو خداوند اپنے خدا کے جلالی اور مہیب نام کا خوف ہو تو خداوند تجھ پر عجیب آفتیں نازل کرے گا۔۔۔۔۔ اور تم اس ملک سے اکھاڑ دیئے جاؤ گے جہاں تو اس پر قبضہ کرنے کو جا رہا ہے۔ اور خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں پر پراگندہ کرے گا۔'' (استثناء ۲۸: ۵۸ تا ۶۴)

پھر جب بنی اسرائیل میں بڑے پیمانہ پر اخلاقی و عملی بگاڑ پیدا ہوا اور عام طور سے لوگ سرکشی میں مبتلا ہو گئے تو یرمیاہ نبی نے انہیں بروقت متنبہ کیا اور شاہ بابل کے ہاتھوں ان کے تباہ کئے جانے کی خبر دی:

'' اس لئے رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ چونکہ تم نے میری بات نہ سنی۔ دیکھو میں تمام شمالی قبائل کو اور اپنے خدمت گزار شاہ بابل بنوکدضر کو بلا بھیجوں گا۔

خداوند فرماتا ہے اور میں ان کو اس ملک اور اس کے باشندوں پر اور ان سب قوموں پر جو آس پاس ہیں چڑھالاؤں گا اور ان کو بالکل نیست و نابود کر دوں گا۔۔۔۔۔۔۔اور یہ قومیں ستر برس تک شاہ بابل کی غلامی کریں گی۔'' (یرمیاہ ۲۵: ۸ تا ۱۱)

۶۔ اشارہ ہے شاہ بابل بخت نصر (بنوکدنصر Nebuchadrezzar) کے حملہ کی طرف جو اس نے ۵۸۶ءیا ۵۸۸ء قبل مسیح میں سلطنت یہود پر کیا تھا۔اس نے یہود کے مرکز یروشلم کو پوری طرح تباہ کر دیا۔ یہاں تک کہ مقدس مسجد کو بھی ڈھا دیا۔ ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا اور بے شمار لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر بابل لے گئے۔ بابل کا شارح لکھتا ہے:

''آخر کار جب بابل کے لوگ شہر میں گھس پڑے تو انہوں نے دیواریں اور محل منہدم کر دیئے اور معبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ زیڈ یکیا کے لڑکے کو اس کے سامنے قتل کر دیا گیا اور اس کو اندھا بنا کر اور زنجیر میں جکڑ کر بابل لے جایا گیا۔ یروشلم کی آبادی کے بڑے حصے کو جلاوطن کر کے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح سلطنتِ داؤد کا المناک طریقے پر خاتمہ ہو گیا۔'' (The Interpreters commentary on the Bible p. 1025)

یہ تھی وہ زبردست سزا جو بنی اسرائیل کو اس کے پہلے اجتماعی بگاڑ کے موقع پر دی گئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں بگاڑ عام ہوتا جاتا ہے اور وہ سرکش بن جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی سرکوبی کے لئے اس کے دشمنوں اور ظالم حکمرانوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ عذاب الٰہی کی یہ بڑی دردناک شکل ہوتی ہے۔

۷۔ بنی اسرائیل کی بابل میں اسیری کے دوران اصلاح کی دعوتیں اٹھیں اور رفتہ رفتہ وہ خدا کی طرف رجوع ہونے لگے۔ آخر رحمتِ الٰہی ان پر لوٹ آئی اور ان کو بابل کی اسیری سے نجات مل گئی۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ فارس کے بادشاہ سائرس نے ۵۳۹ء قبل مسیح میں بابل کو فتح کیا اور اس کے بعد یہود کو یروشلم جانے اور وہاں خدا کا گھر تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح یہود کو اپنے مرکز لوٹ آنے اور بیت المقدس کو تعمیر کرنے کا موقع ملا۔ پھر عزیر علیہ السلام نے ان کے سامنے تورات کی اس طرح تشریح و توضیح کی کہ ان میں ایک حیات تازہ پیدا ہو گئی۔ اور خلافِ شرح باتوں کو چھوڑ کر شریعتِ خداوندی کی پیروی کے لئے وہ آمادہ ہو گئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ توبہ نوٹ ۵۸۔) یہ بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ تھی اور جب اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر لوٹ آئی تو ان کے لئے ہر طرح حالات سازگار ہوتے چلے گئے۔ مال کی فراوانی بھی ہوئی اور نسل کی افزائش کا سامان بھی ہوا۔

ضمناً اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ افزائش نسل اللہ کی نعمت اور اس کا فضل ہے، اس لئے اہل ایمان اس کے قدرداں ہوتے ہیں۔ رہے تحدید نسل کے فارمولے تو وہ ان ہی لوگوں کو زیب دیتے ہیں، جو خدا اور اس کی نعمتوں کے ناقدرشناس ہوتے ہیں۔

۸۔ یہ دراصل اس سنت الٰہی کا اعلان ہے کہ جو قوم بھی کتاب الٰہی کی حامل ہو اس کا اجتماعی کردار اگر اچھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اور دنیا میں اس کو عزت و سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کا اجتماعی کردار بگڑ جاتا ہے تو اللہ اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے اور اسے ذلت کا مزہ چکھاتا ہے۔

۹۔ یہ بنی اسرائیل کے دوسرے بڑے بگاڑ اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی دوسری بڑی تباہی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بگاڑ پہلے سے بھی زیادہ شدید تھا اور دین محض ظاہر داری کا نام رہ گیا تھا۔ ان کو اصلاح کی جانب مائل کرنے اور ان میں دین کی اصل روح پھونکنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ مگر اس وقت کے یہودی حکمراں نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحییٰ کا سر قلم کر کے اس کی نذر کیا۔ (انجیل متی باب: ۱۴) اور عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں یہود نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی یہاں تک کہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ یہ یہود کا دوسرا فساد عظیم تھا جس کے نتائج بد سے عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس طرح آگاہ کیا:

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔'' (متی ۲۴: ۲)

''اے یروشلم کی بیٹیو! میرے لئے نہ رو بلکہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے رو۔ کیوں کہ دیکھو وہ دن آتے ہیں جن میں کہیں گے مبارک ہیں بانجھیں اور وہ رحم

جو بارور نہ ہوئے اور وہ چھاتیاں جنہوں نے دودھ نہ پلایا۔اس وقت وہ پہاڑوں سے کہنا شروع کریں گے کہ ہم پر گر پڑو اور ٹیلوں سے کہ ہمیں چھپالو۔''

(لوقا ۲۳: ۲۸: ۳۰)

اور دوسرے فساد عظیم کی سزا یہود کو اس طرح ملی کہ ۷۰ء میں ٹیٹس رومی (Titus) نے بیت المقدس پر زبردست حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔مسجد (ہیکل سلیمانی) کو تباہ کر دیا۔اور بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔اس حادثہ نے ان کے شیرازہ کو اس طرح بکھیر دیا کہ وہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو کر رہ گئے۔

۱۰؎ بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے یہ عبرت آموز واقعات سنانے کے بعد ان سے کہا جا رہا ہے کہ اس نبی کی بعثت نے تمہارے لئے رحمت الٰہی کا مستحق بننے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا ہے۔اگر اب بھی سنبھل جاؤ اور اس ہدایت کی پیروی کرو جو اس نبی پر نازل کی گئی ہے تو خدا کی رحمت کے دروازے تم پر کھل سکتے ہیں۔لیکن اگر تم نے اس نبی کی مخالفت کی اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا تو یاد رکھو اللہ اپنے عذاب کا کوڑا پھر تم پر برسائے گا۔

قرآن کی اس تنبیہ کے باوجود جب مدینہ کے اطراف کے یہودی قبائل نے اپنی سرکشی کا تازہ ثبوت یہ فراہم کر دیا، کہ وہ قرآن کے مخالف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن کر کھڑے ہو گئے۔اور آپ کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر پھر برسا۔چنانچہ پیغمبر اسلام کی موجودگی ہی میں اہل ایمان کے ہاتھوں ان کو سزا بھگتنا پڑی۔

بنی قینقاع اور بنی نصیر جلاوطن کر دیئے گئے اور بنی قریظہ کا خاتمہ تلوار کے ذریعہ ہوا۔رہے خیبر کے یہود تو انہیں مغلوب ہو کر رہنا پڑا اور حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں وہ بھی جلاوطن کر دئے گئے۔

طویل مدت تک منتشر رہنے کے بعد یہود اب پھر فلسطین میں مجتمع ہو رہے ہیں اور ان کے اس اجتماع نے دنیا کے امن کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پھر انہیں کڑی سزا دینا چاہتا ہے۔عجب نہیں کہ اس کی برق ان کے آشیانہ پر گرے اور اسے خاکستر کر کے رکھ دے۔آثار ایسے ہی ہیں اور غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔

۱۱؎ یعنی جو لوگ بھی حقیقت کے اعتبار سے کافر ہوں گے خواہ وہ بظاہر کتاب الٰہی کے ماننے والے ہی کیوں نہ ہوں آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم کا قید خانہ ہوگا۔

یقیناً یہ قرآن اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور انسان شر کے لئے اس طرح دعا کرنے لگتا ہے جس طرح اسے خیر کے لئے دعا کرنا چاہئے۔ انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔ (القرآن)

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ
الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾

۹ یقیناً یہ قرآن اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے ۱۲؎۔ اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾

۱۰ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾

۱۱ اور انسان شر کے لئے اس طرح دعا کرنے لگتا ہے جس طرح اسے خیر کے لئے دعا کرنا چاہئے۔ انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔ ۱۳؎

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ
وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾

۱۲ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ رات کی نشانی ہم نے دھیمی کر دی اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو ۱۴؎۔ اور ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی ہے۔ ۱۵؎

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ﴿١٣﴾

۱۳ اور ہم نے ہر انسان کا شگون اس کے گلے میں چپکا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے لئے نوشتہ نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ ۱۶؎

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾

۱۴ پڑھ اپنا نامۂ عمل! آج تو خود اپنا حساب لینے کیلئے کافی ہے۔ ۱۷؎

مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ
رَسُولًا ﴿١٥﴾

۱۵ جو ہدایت کی راہ اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے۔ اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۱۸؎۔ اور ہم (کسی قوم کو) عذاب نہیں دیتے جب تک کہ اس میں ایک رسول نہ بھیج دیں۔ ۱۹؎

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾

۱۶ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں مگر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح عذاب کی بات اس پر لاگو ہو جاتی ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ۲۰؎

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ
بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

۱۷ اور نوح کے بعد ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ اور تمہارا رب اس بات کے لئے کافی ہے کہ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہو اور ان کو دیکھے۔

۱۲؎ یہ اقوام عالم کو دعوت ہے کہ اس راہ کو اختیار کرو جس کی طرف قرآن بلاتا ہے۔ اور اس لئے اختیار کرو کہ یہی راہ بالکل سیدھی ہے اور منزل مقصود ۔۔۔۔۔ آخرت کی کامیابی ۔۔۔۔۔۔ تک پہنچا دینے والی ہے۔

قرآن جس راہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے وہ ہر لحاظ سے بالکل سیدھی راہ ہے۔ عقل کو یہ اپیل کرتی ہے، فطرت اس کی صحت کی گواہی دیتی ہے، وجدان کی پکار یہ ہے کہ وہ حق ہے، یہی راہ تمام انبیاء علیہم السلام کی راہ رہی ہے۔ وہ عدل جس پر آسمان وزمین قائم ہیں اسی راہ میں پایا جاتا ہے، یہ رب العالمین تک سیدھی پہنچتی اور پہنچاتی ہے۔ اس راہ کا اصطلاحی نام دین اسلام ہے۔ رہ گئیں دوسری راہیں خواہ وہ مذہبی راہیں ہوں یا مذہب سے آزاد، کسی لحاظ سے بھی سیدھی نہیں ہیں اور نہ خدا تک پہنچنے والی ہیں۔

۱۳؎ یعنی انسان کا حال عجیب ہے۔ اسے خیر کے لئے اپنے رب سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ لیکن ناموافق حالات میں وہ جلد بازی سے کام لیکر اپنے حق میں بددعا بھی کرنے لگتا ہے۔ یہ انسان کی عام کمزوری ہے جس میں مرد وعورتیں سب شامل ہیں۔ آیت کے اس عام مفہوم کے علاوہ اس کا اشارہ خاص طور سے کفار مکہ کی طرف ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا مطالبہ کر رہے تھے، کہ جس عذاب کی دھمکی آپ ہمیں دے رہے ہیں وہ آ کیوں نہیں جاتا؟ ان سے کہا جا رہا ہے کہ قرآن کی شکل میں تمہارے رب کی طرف سے خیر نازل ہوا ہے۔ اس لئے ہونا یہ چاہئے تھا کہ تم اپنے رب سے دعا کرتے کہ یہ خیر تمہارے حصہ میں آئے۔ لیکن تم اس سعادت کی طرف لپکنے کے بجائے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو جو اگر آ گیا تو ظاہر ہے تمہارے حق میں شر ہی ہوگا۔

۱۴؎ یعنی یہ رات اور دن کی نشانیاں جن کا تم رات دن مشاہدہ کرتے ہو، اگر غور کرو تو تمہارے زاویۂ نگاہ کو بدلنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر دن کو روشن نہ بنایا جاتا تو اللہ کے فضل کو تلاش کرنے یعنی معاشی دوڑ دھوپ کا کام نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن شب وروز کی آمد وشد نے یہ دونوں فائدے تمہیں پہنچائے اور اس کا مزید فائدہ یہ کہ دنوں کی گنتی سے انسان سالوں کا شمار اور دوسرا حساب معلوم کر لیتا ہے۔ مثلاً ماضی کے واقعات کہ وہ کب وقوع میں آئے تھے یا یہ کہ دن کے کتنے گھنٹے گذر چکے ہیں اور رات کے کتنے۔ اس طرح انسان کے لئے نظام الاوقات مقرر کرنا آسان ہو گیا۔ اللہ کی ربوبیت کی یہ واضح نشانیاں انسان کو اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ وہ اپنے کو اپنے رب کی راہ پر ڈال دے۔ ۔۔۔۔۔ اور قرآن اسی کی دعوت دے رہا ہے۔

۱۵؎ یعنی انسان کی ہدایت کے لئے جو باتیں ضروری تھیں وہ سب قرآن میں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ اب انسان کے لئے یہ کہنے کا موقع نہیں کہ راہ حق کی نشانیاں مجھ پر واضح نہیں ہوئی تھیں۔

۱۶؎ یعنی انسان کی بدبختی یا نیک بختی اس کے اپنے عمل میں پوشیدہ ہے۔ اور ہر شخص کے عمل کا ریکارڈ اس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔ قیامت کے دن یہ ریکارڈ ایک کھلی کتاب یا کھلے رجسٹر کی شکل میں اس کے سامنے آنے والا ہے۔ اس لئے انجام کی برائی باہر کے کسی شگون سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے اپنے عمل سے ہی وابستہ ہے۔

انسان جو عمل کرتا ہے اس کا اچھا یا برا اثر وہ اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے اور اس کی یاد اس کے شعور یا تحت الشعور میں موجود رہتی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا کوئی عمل بے اثر اور بے نتیجہ نہیں ہے اور اس کا ریکارڈ محفوظ ہو رہا ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب ہمارا نامۂ عمل ہماری گردنوں میں لٹک رہا ہے تو ہمیں دکھائی کیوں نہیں دیتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہمیں ظاہری آنکھوں سے یہ دکھائی دیتا تو پھر آزمائش کہاں باقی رہتی؟ جب کہ اللہ نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے اور ہمارا امتحان اس میں ہے، کہ ہم وحی الٰہی کی روشنی میں عقل وفہم سے کام لے کر ان غیبی حقیقتوں کو تسلیم کرتے اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل متعین کرتے ہیں یا نہیں۔

۱۷؎ یعنی قیامت کے دن ہر شخص بہ آسانی اپنا اعمال نامہ پڑھ لے گا، خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ کوئی زبان جانتا ہو! اس وقت وہ یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہے گا کہ اس میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ اس کے اعمال کا بالکل صحیح حساب ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر ایک عقلمند آدمی اپنا احتساب دنیا ہی میں کرتا ہے تا کہ قیامت کے دن اسے پچھتانا نہ پڑے۔

۱۸ ۔ یعنی خوب سمجھ لو کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ۔ اس روز تم یہ کہہ کر اپنے بار گناہ کو ہلکا نہیں کر سکتے کہ ہم کو فلاں پیشوا یا فلاں سردار یا فلاں لیڈر یا فلاں قائد نے گمراہ کیا تھا۔ یا ہماری گمراہی کا اصل ذمہ دار تو شیطان ہے لہٰذا یہ گمراہ کرنے والے ان کے گناہوں کے بوجھ اٹھائیں۔نہیں بلکہ وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور تمہیں اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا۔

۱۹ ۔ مراد وہ عذاب ہے جو قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے اور جو حق و باطل کے لئے فرمان (کسوٹی) ہوتا ہے۔ پچھلی قوموں عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون وغیرہ پر جو عذاب آئے وہ اللہ کے رسولوں کے ذریعے ان پر اللہ کی حجت قائم ہو جانے کے بعد ہی آئے۔ اسی سنت الٰہی کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ جن لوگوں تک رسول کا پیغام نہیں پہنچا وہ اپنے بُرے عمل کے لئے نہ خدا کے حضور جوابدہ ہیں اور نہ انہیں اس کی سزا بھگتنا ہوگی۔ نہ صرف قرآن و سنت کے تصریحات کے خلاف ہے بلکہ ایک نامعقول بات بھی۔ قرآن کہتا ہے کتنی برائیاں ہیں جن کی برائی کا شعور انسان کی فطرت میں ودیعت ہوا ہے۔ اگر وہ اس کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے اور خدا کے حضور جوابدہ ہے۔ احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن لوگوں نے بت پرستی یا بے حیائی وغیرہ پھیلائی تھی وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے مثلاً عمرو بن لحی، امرءُ القیس وغیرہ۔

اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ کھلی برائی کے کسی مرتکب کو، مثلاً ظلم کرنے والے یا ناحق کسی کو قتل کرنے والے کو گنہگار اور مجرم ہی گردانتی ہے، خواہ اس تک رسول کا پیغام پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ البتہ یہ بات کہ رسول کا پیغام نہ پہنچنے کی صورت میں ان کی ذمہ داریوں کا دائرہ کیا تھا اور وہ کس حد تک درگذر کے مستحق ہیں اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور ان باتوں کے فیصلہ کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے، لہٰذا ہمارے لئے اصولی بات سمجھ لینا کافی ہے اور مزید بحث میں پڑے بغیر اس بات کی فکر کرنا چاہئے کہ جب اللہ کا پیغام اس کے رسول کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے تو ہم اپنی نجات کا کیا سامان کر رہے ہیں، اور اس پیغام کو دوسرے بندگان خدا تک پہنچانے کے لئے کیا کر رہے ہیں؟

۲۰ ۔ اوپر کی آیت میں قوموں کے عذاب کے سلسلہ میں سنت الٰہی واضح کی گئی تھی۔ اس آیت میں اس کا یہ پہلو واضح کیا جا رہا ہے کہ کسی بستی یا آبادی کی تباہی اسی وقت عمل میں آتی ہے، جب کہ اس میں فسق عام ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آبادی کے خوشحال طبقہ کو جس میں حکمراں، سردار اور دولت مند لوگ شامل ہیں اللہ اپنی اطاعت کا حکم دے دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول خاص طور سے اسی طبقہ کو خطاب کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو اور ان کے واسطہ سے عوام پر۔ لیکن یہ لوگ دنیا پرستی میں ایسے غرق اور عیش کوشی میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ اللہ کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ وہ خود بھی فسق (نافرمانی اور گناہ کے کام) کرتے ہیں اور فلسفیانہ طریقے رائج کر کے پوری بستی کو بھی فسق و فجور سے بھر دیتے ہیں۔ اس طرح پوری آبادی عذاب کی مستحق بن جاتی ہے۔ اور اللہ کوئی نہ کوئی آفت نازل کر کے اس آبادی کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ بعد کی آیت میں ان قوموں کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے جن کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا۔

بعض مفسرین نے اَمَرْنَا (ہم انہیں حکم دیتے ہیں) کے معنیٰ میں بڑا تکلف کیا ہے۔ کسی نے حکم تکوینی مراد لیا ہے۔ یعنی ہم تکوینی طور پر فسق کا حکم دے دیتے ہیں۔ اور کسی نے کچھ اور۔ مگر لغوی طور پر بھی اور سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی اس کا وہی مفہوم متعین ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ عربی میں جب مطلقاً اَمَرْنَا کہیں گے تو اس کے معنیٰ امرِ اطاعت ہی کے ہوں گے۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے اس معنیٰ کو ترجیح دی ہے اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہوگا وہ اس کا یہی مطلب سمجھے گا کہ جس چیز کا حکم دیا گیا تھا وہ معصیت سے مختلف چیز تھی۔ کیوں کہ معصیت امر کے منافی اور اس کے متناقض ہے۔ لہٰذا اَمَرْتُهٗ فَفَسَقَ (میں نے اسے حکم دیا تو اس نے فسق کیا) کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہے کہ اسے جس چیز کا حکم دیا گیا تھا وہ فسق سے مختلف چیز تھی۔ کیونکہ فسق کا مطلب تو ایسی چیز کا ارتکاب ہے جو دئے گئے حکم کی بالکل ضد ہو''۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۴)

جو (دنیائے) عاجلہ کا خواہشمند ہوتا ہے ہم اسے یہیں دے دیتے
ہیں جس قدر دینا چاہیں اور جس کو دینا چاہیں پھر اس کے لئے ہم نے
جہنم مہیا کر دی ہے، جس میں وہ داخل ہوگا اس حال میں کہ ملامت
زدہ ہوگا ٹھکرایا ہوا ! اور جو آخرت کا خواہشمند ہوگا اور اس کے لئے
کوشش کرے گا جیسی کوشش کرنا چاہئے اور ہو وہ مؤمن تو ایسے ہی
لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم ان کو بھی اور ان کو بھی ہر ایک کو
(سامانِ زندگی) دئے جا رہے ہیں جو تمہارے رب کی بخشش
ہے۔ اور تمہارے رب کی بخشش کسی پر بند ہیں ہے۔ (القرآن)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا
لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿۱۸﴾

۱۸ جو (دنیائے) عاجلہ کا خواہشمند ہوتا ہے ہم اسے یہیں دے دیتے ہیں جس قدر دینا چاہیں اور جس کو دینا چاہیں پھر اس کے لئے ہم نے جہنم مہیا کر دی ہے، جس میں وہ داخل ہوگا اس حال میں کہ ملامت زدہ ہوگا ٹھکرایا ہوا ! [۲۱]

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ
سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿۱۹﴾

۱۹ اور جو آخرت کا خواہشمند ہوگا اور اس کے لئے کوشش کرے گا جیسی کوشش کرنا چاہئے اور ہو، وہ مؤمن تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ [۲۲]

كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ
مَحْظُورًا ﴿۲۰﴾

۲۰ ہم اِن کو بھی اور ان کو بھی ہر ایک کو (سامانِ زندگی) دئے جا رہے ہیں جو تمہارے رب کی بخشش ہے۔ اور تمہارے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔ [۲۳]

انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ
وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ﴿۲۱﴾

۲۱ دیکھو ہم نے کس طرح ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) پر فضیلت عطا کی ہے [۲۴]۔ اور آخرت تو درجات کے اعتبار سے بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی۔ [۲۵]

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَخْذُولًا ﴿۲۲﴾

۲۲ اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ بناؤ ورنہ بیٹھ رہو گے ملامت زدہ اور بے یار و مددگار ہو کر۔ [۲۶]

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا
وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿۲۳﴾

۲۳ اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو [۲۷] اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ [۲۸]

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا
كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿۲۴﴾

۲۴ اور ان کے لئے رحمت کے ساتھ خاکساری کے بازو جھکائے رکھو [۲۹] اور دعا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔ [۳۰]

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ
لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿۲۵﴾

۲۵ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے [۳۱]۔ اگر تم نیک بن جاؤ تو وہ رجوع کرنے والوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہے۔ [۳۲]

۲۱۔ متن میں لفظ عاجلہ استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں ''جلدی کرنے والی'' مراد دنیا ہے جو اپنے فائدے جلد پہنچاتی ہے۔ اور اس کے طالب ہونے کا مطلب دنیا کے عارضی اور جلد ملنے والے فائدوں کا طالب ہونا ہے۔ جو شخص بھی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو مقصود بناتا ہے ضروری نہیں کہ وہ دنیا کے بہت سے فائدے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، بلکہ یہ اللہ ہی کی مشیت پر موقوف ہے کہ کس کو کتنا دے۔ یہ تو ہوا دنیا کے حصول کا معاملہ۔ اس کے بعد ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ بلکہ اسے بہت بری حالت میں اور اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر جہنم میں داخل ہونا ہوگا۔ یہ کڑی سزا اسے اس لئے دی جائے گی کہ اسے دنیا میں بھیجا ہی اس لئے گیا تھا، کہ وہ آخرت کو سامنے رکھ کر دنیا میں وہ کام کرے جس کے نتائج آخرت میں مفید نکلنے والے ہوں۔ لیکن اس نے آخرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دنیا کے فوائد بٹورنے میں اپنی زندگی لگادی۔ اس طرح وہ اپنے رب کا سرکش بنا رہا اور اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی۔

۲۲۔ انسان کو درحقیقت اس کے رب نے دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کیلئے پیدا کیا ہے۔ دنیا تو زندگی کا ایک امتحانی مرحلہ ہے جس سے گذرنے کے بعد جہاں اسے ہمیشہ کے لئے رہنا ہے وہ آخرت ہی ہے۔ اس لئے آخرت کو اپنا مقصد حیات سمجھنا اور اپنی تمام کوششوں کے لئے اس کو مرکز و محور بنانا ٹھیک اس حقیقت کے مطابق ہے جو انسان کی، نیز پوری کائنات کی پیدائش میں کارفرما ہے۔

یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ اللہ کے نزدیک ان ہی لوگوں کی کوشش قدر کی مستحق اور مقبول ہوگی، جنہوں نے آخرت کو مقصود یعنی کامیابی کے لئے نصب العین قرار دے کر اس طرح کی کوشش کی۔ جس طرح کہ کوشش کی جانی چاہئے۔ یعنی ویسی کوشش جو آخرت پر یقین رکھنے والا شخص اس کے حصول کے لئے کرسکتا ہے اور جس کا طریقہ قرآن نے بتلا دیا ہے۔ ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ مؤمن ہو۔ یعنی ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہو جس پر ایمان لانا قرآن نے ضروری قرار دیا ہے۔

۲۳۔ یعنی دنیا کے طلبگار ہوں یا آخرت کے، کافر ہو یا مؤمن، سب کو اس دنیا میں تمہارا رب سامان زندگی دے رہا ہے۔ اور اس کی بخشش کسی پر بھی بند نہیں ہے۔ یہ بخشش عام ٹھیک اس حکمت کے مطابق ہے جو دنیا میں انسان کے ظہور کا باعث ہوئی ہے۔

۲۴۔ یعنی جن لوگوں نے آخرت کو اپنا مقصود بنایا ہے، ان کو دنیا پرستوں پر جو برتری حاصل ہے، اس کا مشاہدہ اس دنیا ہی میں کیا جاسکتا ہے۔ ان کا اپنے رب سے لگاؤ اور خوف، بندوں کے حقوق کی ادائیگی، احساس ذمہ داری، امانت و دیانت، جائز کمائی، حرام چیزوں سے اجتناب، خیر کی راہ میں خرچ، حق کے لئے ایثار، صبر و تحمل، انصاف پسندی اور دوسری اخلاقی و عملی خوبیاں واضح طور سے ان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ خواہ وہ مال و دولت کے لحاظ سے صفر ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۵۔ یعنی آخرت میں تو اہل ایمان کو کافروں پر نمایاں برتری حاصل ہوگی۔ چنانچہ کافر جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے جب کہ اہل ایمان بلند و بالا جنت میں۔ پھر اہل ایمان اپنے ایمان اور عمل کے درجہ کے لحاظ سے جنت میں مرتبے بھی پائیں گے اور اسی مناسبت سے ان کو فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

۲۶۔ یعنی اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کے قائل ہوئے تو تمہارا حال یہ ہو جائے گا کہ ہر طرف سے تم پر لعنت ملامت ہوگی اور تم بالکل بے یار و مددگار رہ جاؤ گے۔

۲۷۔ یعنی اللہ کا یہ حتمی فیصلہ اور قطعی حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔ کسی اور کی نہیں۔ اوپر کی آیت میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو خدا بنا لینے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور اس آیت میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اس کو خدا بنا لینے کے ہم معنیٰ ہے۔ خواہ وہ زبان سے اسے خدا کہتا ہو یا نہ کہتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص زمین (بھومی) کی پوجا کرتا ہے تو یہ کھلا شرک ہے اور زمین کو خدا اور معبود ٹھہرانا ہے۔

واضح رہے کہ عبادت سے مراد پرستش ہے جس کو اللہ کے لئے خاص کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رہی اطاعت تو وہ اس کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی لئے اس کے بعد اطاعت کے احکام الگ سے بیان ہوئے ہیں۔ عبادت اور اطاعت کے اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ورنہ عبادت کی وہ اہمیت باقی نہیں رہتی جو دین میں اس کو

دی گئی ہے۔(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ ہود نوٹ ۵ ۔)

اس موقع پر ہم یہ واضح کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں جو احکام دئے گئے ہیں، ان کے بارے میں بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ ان کی حیثیت مدینہ کی اسلامی ریاست کے منشور کی تھی، صحیح نہیں ۔ منشور ایک سیاسی اصطلاح ہے۔ اور یہاں نہ سیاست زیر بحث ہے اور نہ ریاست بلکہ وہ اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں جو انسان کو شرف انسانیت بخشنے والے اور اس کو آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرنے والے ہیں۔ اور جب ان اوصاف حمیدہ سے متصف کوئی گروہ ظہور میں آجاتا ہے، تو اس کی سیاست بھی اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے اور ریاست کا نظام بھی اسی کے مطابق تشکیل پانے لگتا ہے۔ اس لئے ان احکام کو سیاسی رنگ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ اس کا نقصان یہ ہوگا کہ ایک قاری کا ذہن بجائے اس کے کہ وہ اپنے کو مخاطب سمجھے، اسلامی ریاست کو اس کا مخاطب سمجھے گا اور ان احکام کی روح بھی مجروح ہوگی۔ اس طرح کے تکلفات سے صحیح دینی ذہن نہیں بنتا۔

۲۸ ۔ بندگان خدا میں سب سے بڑا حق ماں باپ کا ہے جو ایک فطری حق ہے اور وہ اس بنا پر ہے کہ انہوں نے پرورش کی۔ ان کا حق یہ ہے کہ اولاد ان کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کرے۔ یعنی ان سے اچھے اخلاق سے پیش آئے، ان کی خدمت کرے، ان پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو خرچ بھی کرے، نافرمان اور ان کو دکھ دینے والی نہ بنے۔

بڑھاپے میں والدین خدمت کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں اور اس عمر میں مزاج بھی چڑچڑا بن جاتا ہے۔ اس لئے خاص طور سے تاکید فرمائی کہ کوئی ایسی بات نہ کہو جو ان کے لئے اذیت دہ ہو اور نہ کبھی جھڑکنے کی کوئی بات کرو۔ بلکہ ان سے ادب و احترام کے ساتھ بات کرو۔

۲۹ ۔ یعنی ان کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آؤ اور نرمی اور تواضع کا طریقہ اختیار کرو۔

۳۰ ۔ یعنی تمہیں یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ تمہارے ماں باپ نے تمہاری پرورش کی زحمت اٹھائی تھی۔ ان کے اس احسان کو یاد کر کے تم ان کے حق میں رحم کی دعا کرو۔

رحم کی یہ دعا ان کی ظاہری حالت اور ان کے بڑھاپے کی تکلیف کے پیش نظر ہے۔ اس لئے اگر وہ مسلمان نہ ہوں تب بھی یہ دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہی دعائے مغفرت تو وہ مشرک والدین کے لئے نہیں کر سکتے جیسا کہ سورۂ توبہ آیت ۱۱۳ میں گذر چکا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ توبہ نوٹ ۲۰۹ ۔)

۳۱ ۔ یعنی تمہاری نیتوں، تمہارے جذبات اور تمہارے دلوں کی کیفیتوں کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔

۳۲ ۔ یعنی والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے میں اگر تم سے قصور سرزد ہوئے ہوں تو اللہ کے حضور توبہ کرو۔ اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لو کہ اللہ نیک بن جانے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے قصوروں کو معاف کر دیتا ہے۔

❑❑❑❑❑❑

اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور اگر تمہیں اپنے رب کی مہربانی کی تلاش میں جس کے تم امیدوار ہو ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرمی کی بات کہو۔ اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ رہو۔ تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے۔ (القرآن)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

۲۶ اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق ۳۳؎۔ اور فضول خرچی نہ کرو۔ ۳۴؎

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

۲۷ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے ۔ ۳۵؎

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ
قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

۲۸ اور اگر تمہیں اپنے رب کی مہربانی کی تلاش میں جس کے تم امیدوار ہو ان سے پہلوتہی کرنا پڑے تو ان سے نرمی کی بات کہو۔ ۳۶؎

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

۲۹ اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر بیٹھ رہو۔ ۳۷؎

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

۳۰ تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے ۳۸؎۔ وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

۳۱ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ۳۹؎۔ بلاشبہ ان کا قتل بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔ ۴۰؎

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

۳۲ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ کھلی بے حیائی ہے۔ اور بہت بری راہ۔ ۴۱؎

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ
مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

۳۳ اور کسی نفس کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے قتل نہ کرو مگر حق کی بنا پر ۴۲؎۔ اور جو کوئی مظلومی کی حالت میں مارا جائے تو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دے دیا ہے لہٰذا وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے ۴۳؎۔ اس کی مدد کی گئی ہے۔ ۴۴؎

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

۳۴ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے ۴۵؎۔ اور عہد کو پورا کرو۔ یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

۳۵ اور جب ناپو تو پیمانہ بھر کر دو اور سیدھی ترازو سے تولو ۴۶؎۔ یہ طریقہ اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر۔ ۴۷؎

۳۳۔ حق سے مراد مالی حق ہے جو ان کی ضرورتوں اور آدمی کے اپنے حالات کے لحاظ سے متعین ہوتا ہے۔ نیز یہ حق زکوٰۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے۔

۳۴۔ تبذیر (فضول خرچی) کا مطلب مال کا بے جا استعمال ہے۔ اور مال کا بے جا استعمال آدمی کو حقوق کی ادائیگی کی طرف سے بے پروا کر دیتا ہے۔

جن لوگوں کو مال فراوانی کے ساتھ ملتا ہے وہ اس کو اپنی ملک سمجھنے لگتے ہیں۔ اور پھر ناجائز کاموں میں یا اپنا شوق پورا کرنے میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے جس کو جائز راہوں میں خرچ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے۔ نیز اس میں دوسروں کے حقوق بھی ہیں جن کو ادا کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔

مال و دولت کے بارے میں صحیح اسلامی تصور نہ ہونے اور اس سلسلہ میں ذمہ داری کے احساس کے فقدان کی وجہ سے آدمی مال کو اللّے تللّے خرچ کرنے لگتا ہے۔

۳۵۔ مال اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور فضول خرچی اس نعمت کی سب سے بڑی ناقدری ہے۔ اس لئے جو شخص فضول خرچی کرتا ہے وہ شیطان سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے جو اللہ کا سب سے بڑا ناشکرا ہے۔

۳۶۔ یعنی اگر تمہاری مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ ان کی مدد کرسکو، تو نرم انداز میں کوئی ایسی بات کہو جس سے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہو۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقوق کی ادائیگی کے لئے اللہ کے فضل کا امیدوار ہونا اور اس کے لئے مزید جدوجہد کرنا ایک پسندیدہ بات ہے۔

۳۷۔ ہاتھ گردن سے باندھنا بخل کے لئے کنایہ ہے اور بالکل کھلا چھوڑ دینا اسراف کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے اور نہ اسراف کرے بلکہ اعتدال پر قائم رہے۔ جو لوگ خرچ کرنے میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں ان کے حصہ میں بدنامی بھی آتی ہے اور بے بسی بھی۔ بخلاف اس کے خرچ کرنے میں اعتدال آدمی کو پُروقار بنا دیتا ہے، اور اس کے لئے باعث خیر و برکت بھی ہوتا ہے۔

۳۸۔ اس کی تشریح سورۂ رعد نوٹ ۵۸ میں گذر چکی۔

۳۹۔ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۲۷۶ میں گذر چکی۔

۴۰۔ یعنی اپنی اولاد کو مار ڈالنا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔

عرب جاہلیت میں چونکہ بچوں کو مفلسی کے ڈر سے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا یا دوسرے طریقوں سے مار ڈالا جاتا تھا۔ اس لئے اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ان کو قتل کرنے کا محرک جو بھی ہو یہ سنگدلانہ کام زبردست گناہ کا کام ہے۔

موجودہ تہذیب نے زنا کو اس قدر عام کر دیا ہے کہ ناجائز اولاد بہ کثرت پیدا ہونے لگی ہے۔ اور لوگ اس پر پردہ ڈالنے کے لئے بچوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنے جیسے اقدامات کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اس طرح وہ اپنے سر ایک تو حرام کاری کا گناہ لیتے ہیں اور دوسرا قتل ناحق کا۔

۴۱۔ اسلام میں زنا ہر حال میں حرام اور مستوجب سزا ہے خواہ مرد و عورت باہمی رضامندی ہی سے اس کا ارتکاب کریں، اور خواہ اس کا مرتکب شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

زنا کا کھلی بے حیائی ہونا عقل و فطرت کے نزدیک بالکل مسلم ہے۔ رہا اس کا بری راہ ہونا تو اس کوچہ میں قدم رکھنے کے بعد آدمی اپنا اخلاقی جوہر کھو دیتا ہے، اور برائی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔

آیت میں زنا سے بچنے کی تاکید اس شدت سے کی گئی ہے کہ آدمی اس کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ یعنی جو چیزیں زنا کی طرف لے جانے والی ہیں ان سے بالکل اجتناب کرے۔ (ملاحظہ ہو سورہ انعام نوٹ ۲۷۷)

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمات زنا کو (وہ باتیں جن سے زنا کا آغاز ہوتا ہے) اس طرح بیان فرمایا ہے:

كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنىٰ، مدركٌ ذٰلِكَ لامحالة فالعينان زناهما النَّظرُ، والْأُذُنَانِ زناهما الاستماعُ وَاللِّسانُ زناه الكلامُ واليدُ زناها البطشُ، والرجلُ زناها الخُطا، والقلب يهوىٰ ويتمنّى، ويُصَدِّقُ ذٰلك الفرجُ اويُكَذِّبُه۔ (مسلم کتاب القدر)

''آدمی کا زنا میں جو حصہ ہوتا ہے وہ لکھ دیا جاتا ہے جسے (یعنی اس کے گناہ کو) وہ لازماً پائے گا۔ چنانچہ آنکھوں کا زنا (شہوت کی) نظر ہے، کانوں کا زنا، (شہوت انگیز باتیں) سننا ہے، زبان کا زنا (عشقیہ) باتیں کرنا ہے، ہاتھ کا زنا (شہوت سے) پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (وہ) قدم ہیں (جو اس غلط راہ میں اٹھیں)۔ دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کو سچ یا جھوٹ کر دکھاتی ہے۔''

۴۲ ۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۲۷۷ ۔

۴۳ ۔ ولی سے مراد وارث ہوتا ہے جو ایک یا کئی ہو سکتے ہیں۔ وارث کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قاتل سے یا تو دیت (خون بہا) قبول کرلے یا پھر قصاص میں اس کو قتل کردے۔ اس میں حد سے تجاوز نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کیا جائے۔ جاہلیت میں ایک خون کی جگہ کئی خون بہائے جاتے تھے یا پھر قاتل کو چھوڑ کر قبیلہ کے بااثر آدمی کو قتل کیا جاتا تھا۔ یہ صورتیں عدل و انصاف کے خلاف ہیں اس لئے ان کی ممانعت کردی گئی۔

یہ تو تھی عربوں کی جاہلیت لیکن موجودہ زمانہ کی جاہلیت اس سے کچھ کم نہیں ہے، جس کا مظاہرہ ہمارے اس ملک میں ہوتا رہتا ہے۔ جب فرقہ وارانہ حالات کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ایک فرقہ کا کوئی آدمی مارا جاتا ہے تو اس فرقہ کے لوگ دوسرے فرقہ کے کسی بھی آدمی کو، خواہ وہ راستہ چلنے والا ہی کیوں نہ ہو پکڑ کر قتل کر دیتے ہیں۔ اور اس کو ظلم نہیں سمجھتے حالانکہ قاتل کے علاوہ کسی کو قتل کرنا صریح ظلم ہے۔

یہ سورہ مکی ہے جس میں مظلوم مقتول کے وارث کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ قاتل کو قتل کرے، جب کہ اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ اس سے واضح ہوا کہ قاتل کو قتل کرنے کا اختیار شرعی طور پر ایک غیر اسلامی ریاست میں بھی مسلمانوں کو حاصل ہے۔ البتہ اگر غیر اسلامی ریاست کے قوانین اس میں حائل ہو رہے ہوں تو بات دوسری ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس آیت میں قاتل کو قتل کرنے کا اختیار مقتول کے وارث کو دیا گیا ہے۔ لیکن بعد میں جب مدینہ میں اسلامی ریاست وجود میں آئی تو وہ اس اختیار کو نافذ کرنے کی ذمہ دار قرار پائی۔ گویا اس قانون کی ارتقائی شکل یہ ہوئی کہ اس کا نفاذ اسلامی عدالت کے ذریعہ عمل میں آئے گا۔ چنانچہ اسلام کے مشہور داعی اور قانون داں مولانا عبدالقادر عودہ شہید اس قانونِ جنائی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اصولی بات یہ ہے کہ قصاص کے جرائم کی سزاؤں کا نفاذ دوسری سزاؤں کی طرح اصحاب امر پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن استثنائی طور پر اس کی اجازت دیدی گئی ہے کہ مقتول کے ولی کی معرفت قصاص کی تکمیل ہو اور اس کی بنیاد یہ آیت ہے۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ مقتول کے ولی کو قاتل کا قصاص لینے کا حق ہے، بشرطیکہ یہ کارروائی حکومت کی نگرانی میں انجام پائے۔ کیوں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہیں جس میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی زیادتی کرنا حرام ہے۔'' (التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ ص ۷۵۷)

۴۴ ۔ یعنی شریعت اور اسلامی معاشرہ کی پشت پناہی اس کو (یعنی مقتول کے وارث کو) حاصل ہے لہٰذا وہ حدود کا پابند رہے۔

۴۵ ۔ اس کی تشریح سورۂ نساء نوٹ ۱۷۱ میں گذر چکی۔

۴۶ ۔ یعنی ناپ تول کے پیمانے بھی درست ہونے چاہئیں۔ اور ان کا استعمال بھی دیانتداری کے ساتھ ہونا چاہئے۔ چور ناپ اور ڈنڈی مارنے کا طریقہ وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جن کو آخرت کی باز پرس کا خیال نہیں ہوتا۔

یہ بات اس اصولی بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ آدمی تمام کاروباری معاملات میں دیانتداری کا رویہ اختیار کرے۔ (مزید تشریح کے لے ملاحظہ ہو سورۂ مطففین نوٹ ۱)

۴۷ ۔ یہ طریقہ اچھا ہے۔ یعنی اس سے اعتماد بھی قائم ہوتا ہے، اخلاقی اثر بھی اچھا پڑتا ہے اور کاروبار میں بھی خیر و برکت ہوتی ہے۔

رہا انجام کے اعتبار سے بہتر ہونا تو اس سے مراد اخروی انجام کی بہتری ہے۔ یہ ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو معاملات میں اپنا دیانتدار ہونا ثابت کر دکھائیں، ان لوگوں کے لئے نہیں، جو ہر قسم کی بددیانتی کو محض اپنا بزنس چمکانے کے لئے روا رکھے ہوئے ہیں۔

اور جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو۔ کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ ان تمام چیزوں کی برائی تمہارے رب کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے تم پر وحی کی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ، کہ جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے ملامت زدہ، ٹھکرائے ہوئے۔ کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے تو بیٹے خاص کر دئے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ بڑی سخت بات ہے جو تم کہتے ہو۔ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے باتیں واضح کر دیں تا کہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔ مگر اس سے ان کی دوری بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ (القرآن)

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿٣٦﴾

۳۶ اور جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو ۴۸؎۔ کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔ ۴۹؎

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ
الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾

۳۷ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ ۵۰؎

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿٣٨﴾

۳۸ ان تمام چیزوں کی برائی تمہارے رب کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ ۵۱؎

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿٣٩﴾

۳۹ یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے تم پر وحی کی ہیں ۵۲؎۔ اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ، ۵۳؎ کہ جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے ملامت زدہ ٹھکرائے ہوئے۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ
لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾

۴۰ کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے تو بیٹے خاص کر دئے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ ۵۴؎ بڑی سخت بات ہے جو تم کہتے ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾

۴۱ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے باتیں واضح کر دیں تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں ۵۵؎۔ مگر اس سے ان کی دوری بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ۵۶؎

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا
اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾

۴۲ کہو اگر اس کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ صاحب عرش کی طرف (چڑھائی کرنے کے لئے) راہ ضرور نکال لیتے۔ ۵۷؎

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾

۴۳ پاک ہے وہ اور بہت بلند ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ
اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤٤﴾

۴۴ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو ۵۸؎۔ بلاشبہ وہ بڑا بردبار اور بڑا بخشنے والا ہے۔ ۵۹؎

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿٤٥﴾

۴۵ اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ ۶۰؎

۴۸۔ یہ ایک جامع ہدایت ہے جس میں خدا کی طرف بلا دلیل باتیں منسوب کرنا، توہم پرستی، بے سروپا روایتوں کو اہمیت دینا، دینی مسائل میں اٹکل پچو باتیں کرنا، غیبی حقیقتوں کے بارے میں فلسفے تراشنا اور کلامی بحثیں چھیڑنا، جنوں کے بارے میں سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا، کسی قرینہ کے بغیر بدگمانی کرنا، بلاتحقیق الزام لگانا جیسے امور شامل ہیں۔

۴۹۔ یعنی سماعت، بصارت اور سوجھ بوجھ کی قوتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں جو صحیح استعمال کے لئے دی گئی ہیں۔ قیامت کے دن ہر شخص کو اس بات کی جوابدہی کرنا ہوگی کہ اس نے ان قوتوں کا صحیح استعمال کیا تھا یا غلط۔

۵۰۔ یعنی گھمنڈی بن کر تکبر کی چال نہ چلو۔ تم اتنا بل بوتا بھی نہیں رکھتے کہ زمین پر پاؤں پٹخ کر اس کو پھاڑ سکو اور نہ اپنی گردن اونچی کر کے پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ پھر تکبر کی یہ چال کس بل پر ہے؟ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ کی قدرت اور اس کی عظمت کو دیکھتے ہوئے، اور اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے تواضع اور فروتنی کے ساتھ چلے۔

۵۱۔ یعنی اوپر جن ممنوع باتوں کا ذکر ہوا ان میں سے ہر چیز بری ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔

۵۲۔ یعنی یہ تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ اگر تم غور کرو تو تمہاری عقل اور فطرت گواہی دے گی کہ یہ سب دانشمندی کی باتیں ہیں۔ اور انسان کو خیر و فلاح کی راہ پر ڈال دینے والی ہیں۔

۵۳۔ احکام کا آغاز توحید سے ہوا تھا اور خاتمہ بھی توحید ہی پر ہو رہا ہے۔ گویا توحید ہی شریعت کا منبع ہے اور یہ احکام اس کے عملی تقاضے ہیں۔ توحید کے ساتھ عبادت اور اطاعت دونوں ضروری ہیں۔

۵۴۔ اس کی تشریح سورۂ نحل نوٹ ۹۷ میں گزر چکی۔

۵۵۔ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۱۰۹ میں گزر چکی۔

۵۶۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے قرآن میں مختلف اسلوب اور طریقے اختیار کئے ہیں۔ دلائل بھی پیش کئے ہیں اور سبق آموز تاریخی واقعات بھی، نصیحتیں بھی اور تنبیہات بھی، حقیقتیں بھی اور مثالیں بھی۔ مگر جو لوگ ہٹ دھرمی میں مبتلا ہوتے ہیں ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ وہ قرآن کی باتوں کو غلط معنیٰ پہنانے لگتے ہیں اور نتیجہ یہ کہ حق سے ان کی دوری میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔

۵۷۔ یعنی مشرکین کا یہ دعویٰ کہ اس کائنات میں بہت سے خدا ہیں، اگر بالفرض صحیح ہوتا تو تمام چھوٹے چھوٹے خدا اس بڑے خدا کو مغلوب کرنے کے لئے آگے بڑھتے جو عرش کا مالک ہے اور جس کے ہاتھ میں پوری کائنات کا اقتدار ہے۔ اور جب خداؤں کے درمیان اقتدار کے لئے رسہ کشی ہوتی تو کائنات کا یہ نظام حسن و خوبی کے ساتھ کس طرح چلتا۔ ایسی صورت میں یہ کائنات لازماً درہم برہم ہو کر رہ جاتی۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ کائنات کے اس نظام میں کہیں کوئی خلل اور خرابی نظر نہیں آتی، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پوری کائنات پر ایک خدا کی حکومت ہے۔ نہ دوسرا کوئی خدا ہے اور نہ خدائے واحد کی حکومت میں کسی کا کوئی حصہ ہے۔

۵۸۔ یہ ایک غیبی حقیقت ہے جس پر سے قرآن نے پردہ اٹھایا ہے۔ وہ صراحت کرتا ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی پاکی اور اس کی حمد نہ بیان کرتی ہو۔

اس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ہر چیز زبان حال سے حمد و تسبیح کر رہی ہے یہ تسبیحیں توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ زبان قال سے بھی حمد و تسبیح کر رہی ہے یہ اور بات ہے کہ ان کی حمد و تسبیح ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

آج سائنس نے انسان کی معلومات میں زبردست اضافہ کیا ہے۔ ذرہ (Atom) کے بارے میں جدید نظریہ یہ ہے کہ اس کے مرکزہ (Nucleus)

کے گرد الکٹرون (Electron) گردش کرتا ہے۔ گویا ذرہ ذرہ حرکت میں ہے لیکن ہمیں یہ حرکت اور یہ گردش دکھائی نہیں دیتی۔ اور دکھائی نہ دینے کی بنا پر سائنس کی اس تحقیق کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ پھر اگر ہمیں وحی الٰہی جو علم کا یقینی ذریعہ ہے اس بات کی خبر دیتی ہے، کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح میں سرگرم اور اس کی حمد وثنا میں زمزمہ سنج ہے تو اس پر یقین کیوں نہ کریں؟ کیا محض اس بنا پر اس کا انکار کرنا صحیح ہوگا کہ اس خفیہ آواز کو ہمارے کان سن نہیں پاتے؟ قرآن نے درحقیقت کائنات کے اسرار پر سے پردہ اٹھا کر انسان کے علم میں زبردست اضافہ کیا ہے تا کہ وہ اس سے روشنی حاصل کرے۔ لہٰذا اس سے انکار انسان کے لئے محرومی ہی کا باعث ہوگا۔

۵۹۔ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کے گن گائے۔ اب اگر انسانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے خالق کی طرف عیب اور نقص کی باتیں منسوب کرتے ہیں اور اس کے شریک ٹھہراتے ہیں، تو ان کی یہ حرکتیں ایسی ہیں کہ ان پر قہر الٰہی فوراً ٹوٹ پڑے۔ مگر اللہ بردبار ہے اس لئے ان کی ان حرکتوں کو برداشت کرتا ہے۔ اور وہ بڑا بخشنے والا ہے اس لئے مہلت دیتا ہے تا کہ لوگ توبہ کر کے اس کی بخشش کے مستحق بن جائیں۔

۶۰۔ جن لوگوں پر دنیا ایسی سوار ہوتی ہے کہ آخرت کا تصور ان کے لئے کسی طرح قابل قبول نہیں ہوتا، ایسے لوگ قرآن سن لیں یا خود پڑھ لیں تو اس کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ جو قبول حق کے لئے آمادہ نہیں وہ اس کی توفیق سے محروم رہے گا۔ یہ قانون اپنا عمل کرتا ہے مگر اس طرح کہ ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لئے اسے ''حجاب مستور'' غیر مرئی پردہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

❑❑❑❑❑❑

اور ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیتے ہیں
کہ کچھ نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے
ہیں۔ اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ
پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں جب یہ تمہاری طرف
کان لگاتے ہیں تو کیا سنتے ہیں، نیز جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ جب یہ ظالم
کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔ دیکھو، یہ
کیسی باتیں ہیں جو تمہاری نسبت کہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بھٹک
گئے۔ اب راہ نہیں پا سکتے۔ وہ کہتے ہیں جب ہم ہڈیاں اور ریزہ
ریزہ ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہمیں از سر نو پیدا کر کے
اٹھایا جائے گا؟ (القرآن)

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا
ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

[۴۶] اور ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ کچھ نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں ۶۱ ۔ اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ۶۲ ۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى
اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

[۴۷] ہم جانتے ہیں جب یہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا سنتے ہیں، نیز جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ جب یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔ ۶۳ ۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

[۴۸] دیکھو، یہ کیسی باتیں ہیں جو تمہاری نسبت کہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بھٹک گئے۔ اب راہ نہیں پا سکتے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

[۴۹] وہ کہتے ہیں جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہمیں از سر نو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

[۵۰] کہو تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ
يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ
رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

[۵۱] یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ سخت ہو۔ ۶۴ ۔ وہ کہیں گے کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ کہو وہی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ پھر وہ سر ہلا کر پوچھیں گے کہ یہ کب ہوگا؟ کہو عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب آ لگا ہو۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

[۵۲] جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کا جواب دو گے اور یہ خیال کرو گے کہ بس تھوڑی ہی دیر (ٹھہرے) رہے۔ ۶۵ ۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ
بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

[۵۳] اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہتر ہو۔ شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے ۶۶ ۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

[۵۴] تمہارا رب تم کو خوب جانتا ہے۔ وہ چاہے تو تم پر رحم فرمائے اور چاہے تو تمہیں عذاب دے ۶۷ ۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو ان پر ان کے عمل کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ ۶۸ ۔

۶۱۔ اس کی تشریح سورہ انعام نوٹ ۴۴ میں گذر چکی۔

۶۲۔ یعنی وہ یہ دیکھ کر کہ جو قرآن تم پیش کرتے ہو اس میں ایک ہی رب کا ذکر ہے۔ اور ان کے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کا کوئی ذکر ہی نہیں کہ ربوبیت کے معاملہ میں ان کا کوئی دخل ہے۔ وہ اس قرآن کو سننا بھی پسند نہیں کرتے بلکہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

۶۳۔ اشارہ ہے کفار مکہ کے سرداروں کی طرف جو کبھی قرآن سننے کی کوشش کرتے تو مخالفت کی غرض سے۔ چنانچہ وہ آپس میں اس کے خلاف سرگوشیاں کرتے۔ اور جب دیکھتے کہ ان کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متاثر ہو رہا ہے تو کہتے کہ تم ایک ایسے شخص کے پیچھے چل رہے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور اس کے اثر سے وہ دیوانگی کی باتیں کر رہا ہے۔

یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر زدہ ہونے کا جو الزام کافروں نے لگایا تھا وہ سراسر غلط تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ آپ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ یہ منصب نبوت کو متاثر کرنے والی چیز ہے۔ اس لئے جن روایتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود نے جادو کر دیا تھا، اور آپ پر اس کا کچھ اثر ہوا تھا وہ قرآن سے متصادم ہونے کی بنا پر قابل رد ہیں۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ فلق نوٹ ۶)

۶۴۔ یعنی مرنے کے بعد آدمی کا جسم تحلیل ہو کر مٹی بن جائے، لوہا بن جائے یا اس سے زیادہ کوئی سخت دھات۔ اللہ کے لئے اس کو دوبارہ اس کے جسم کے ساتھ اٹھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ جس ہستی نے انسان کو پہلی مرتبہ زندگی عطا کی اس کے لئے اس کا اعادہ آخر کیوں مشکل ہوگا؟

۶۵۔ قیامت کے دن اللہ انسان کو پکارے گا کہ اٹھو اور میرے حضور حاضر ہو جاؤ، تو تمام انسان دوبارہ زندہ ہو کر اس کی پکار پر لبیک کہیں گے۔ اس وقت ان کی زبان پر حمد کے کلمات جاری ہوں گے۔ یہ فطرت کی آواز ہوگی جو اپنے رب کے لئے حمد ہی سے آشنا ہے۔ خدا کے حضور ہونے والی اس حاضری کو حج کے مناسک میں تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے بندہ لبیک یعنی میں تیرے حضور حاضر ہوں کہتا ہوا جاتا ہے۔ اور اس کی زبان پر حمد کے کلمات ہوتے ہیں اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ (حمد و نعمت تیرے ہی لئے ہے)۔

لوگ قیامت کو دور خیال کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ جی اٹھیں گے تو ایسا محسوس کریں گے کہ جو وقت دنیا اور قیامت کے درمیان گذرا وہ بہت ہی تھوڑا تھا۔ عالم برزخ میں وہ کچھ دیر ہی رہے تھے کہ قیامت کھڑی ہو گئی۔

۶۶۔ یعنی اہل ایمان سے کہہ دو: کہ وہ منکرین سے الجھیں نہیں۔ اور کوئی بات ایسی نہ کہیں جو اشتعال پیدا کرنے والی ہو۔ بلکہ فہمائش کا طریقہ اختیار کریں اور دعوت خوبی کے ساتھ پیش کریں۔ یاد رکھو شیطان اشتعال اور عصبیت پیدا کر کے انسانی تعلقات کو خراب کرنا چاہتا ہے۔ اور نہیں چاہتا ہے کہ لوگ حق کو قبول کریں۔

۶۷۔ یہ عام انسانوں سے خطاب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ اور رحمت و عذاب اس کی مشیت ہی پر موقوف ہے۔ مگر اس کی مشیت کے فیصلے لوگوں کے باطنی حالات کو سامنے رکھ کر ہوتے ہیں۔ جو شخص قبولِ حق کے لئے دل سے آمادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے۔ اور وہ حق کو پا کر اس کی رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جو قبول حق کے لئے دل سے آمادہ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے محروم رکھتا ہے۔ اور وہ کفر کی بنا پر عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔

۶۸۔ یعنی پیغمبر کا کام اللہ کے پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ وہ کسی کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ
النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

۵۵ اور تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔۶۹؎

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

۵۶ کہو پکار دیکھو ان کو جن کو تم نے اُس کے سوا خدا سمجھ رکھا ہے۔وہ نہ تمہاری کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔۷۰؎

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ
وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ
كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

۵۷ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کا قرب تلاش کرتے ہیں کہ کون سب سے زیادہ مقرب بنتا ہے۔وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں ۷۱؎۔بے شک تمہارے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

۵۸ اور کوئی آبادی ایسی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا سخت عذاب نہ دیں۔یہ بات کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔۷۲؎

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ
وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ
وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

۵۹ اور ہمارے لئے نشانیاں بھیجنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوئی مگر یہ بات کہ اگلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا تھا ۷۳؎۔ثمود کو ہم نے اونٹنی دی کہ ایک کھلی نشانی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا ۷۴؎۔اور نشانیاں تو ہم اسی لئے بھیجتے ہیں کہ (لوگوں کو ان کے ذریعہ) ڈرائیں۔۷۵؎

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ
اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ
اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾

۶۰ اور جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے رب نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے ۷۶؎۔اور اس مشاہدہ (رُویا) کو جو ہم نے تمہیں کرایا لوگوں کے لئے آزمائش بنا دیا ہے ۷۷؎۔نیز اس درخت کو بھی، جس کو قرآن میں ملعون قرار دیا گیا ہے ۷۸؎۔ہم انہیں ڈراتے ہیں لیکن اس سے ان کی سرکشی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ
ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾

۶۱ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا۔۷۹؎ مگر ابلیس نے نہیں کیا ۸۰؎۔اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔۸۱؎

۶۹۔ مقصود اس بحث سے روکنا ہے جس میں لوگ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کے تعلق سے الجھتے ہیں۔ یہود موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے قائل تھے۔تو نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے افضل قرار دے رہے تھے۔اور مشرکین مکہ تو محض بحث کی خاطر ان سے سن کر بہت سی باتیں چھیڑ دیا کرتے تھے۔اس پس منظر میں یہاں یہ بات ارشاد ہوئی ہے کہ نبی ہو یا فرشتہ کسی کے مرتبہ کا تعین کرنا تمہارا کام نہیں بلکہ اللہ کا کام ہے۔وہ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات کو بخوبی جانتا ہے۔اور جہاں تک نبیوں کا تعلق ہے اس نے اگر ایک نبی کو ایک اعتبار سے فضیلت بخشی ہے تو دوسرے کو دوسرے اعتبار سے۔مثال کے طور پر داؤد کو یہ فضیلت بخشی کی انہیں زبور جیسی کتاب عطا کی جو اپنی حلاوت اور تاثیر میں قرآن سے مماثلت رکھتی تھی۔لہٰذا جس نبی کو جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے بخشی تھی اس کا اعتراف کرو اور نہ تو کسی کی فضیلت میں غلو کرو اور نہ کسی کے درجہ کو گھٹاؤ۔

اسی قسم کی ایک غیر ضروری بحث وہ ہے جو خلفائے راشدین کے تعلق سے مسلمانوں میں چل پڑی کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں یا حضرت علی۔پھر بحث کے ہر فریق نے اس کو اپنے اپنے عقیدہ کا مسئلہ بنالیا حالانکہ ان کے مرتبہ کا تعین کرنے کی ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی گئی ہے۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا مستحق ہے اور اس کے نزدیک کس کا کیا مرتبہ ہوگا۔پھر ہم ایسی باتوں کو موضوع بحث کیوں بنالیں؟

۷۰۔ یعنی تم اس خیال خام میں مبتلا ہو کہ اللہ کے علاوہ اور بھی حاجت روا ہیں۔اگر تم عقل و ہوش سے کام لینا نہیں چاہتے اور خام خیالی ہی میں مبتلا رہنا چاہتے ہو تو ان کو پکارنے کا شوق بھی پورا کرلو۔مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ تمہاری کسی تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ تمہاری بری حالت کو اچھی حالت سے تبدیل کرنے کا۔

۷۱۔ مراد فرشتے ہیں نہ کہ بت کیونکہ اللہ کا قرب تلاش کرنا،اس کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کے عذاب سے ڈرنا بتوں کی نہیں بلکہ فرشتوں ہی کی صفات ہوسکتی ہیں۔اوپر آیت ۴۰ میں بھی یہ مضمون گذر چکا کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔فرشتوں سے متعلق ان کے ان غلط عقائد ہی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ تم فرشتوں کو خدائی کے کاموں میں دخیل سمجھ کر حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہو۔لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ خود اپنے رب کا قرب تلاش کرتے ہیں کہ کون سب سے زیادہ مقرب بنتا ہے۔وہ جہاں اس کی رحمت کے امیدوار ہیں وہاں اس کے عذاب سے ترساں بھی رہتے ہیں۔پھر خدا کی جگہ ان کو پکارنے کا کیا مطلب؟

یہ تو تھا مشرکین کا فرشتوں کے ساتھ معاملہ لیکن شرک ان ہی تک محدود نہیں۔موجودہ دور کے مسلمانوں کا بھی ایک بڑا گروہ اپنے ''انبیاء'' ''اولیاء'' اور ''پیروں'' کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدا ہی کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔انہوں نے واسطوں اور وسیلوں کا ایک فلسفہ ایجاد کرلیا ہے۔اور اس کی بنا پر مدد کے لئے کبھی رسول کو پکارتے ہیں تو کبھی اپنے من گھڑت ''غوث'' کو کبھی اپنے خود ساختہ ''مشکل کشا'' کی دہائی دیتے ہیں تو کبھی اپنے ہی دئے ہوئے لقب کے ملقب ''غریب نواز'' سے مرادیں مانگنے لگتے ہیں۔ان کے ''علماء'' اس آیت کی اور اس جیسی دوسری آیتوں کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ان سب مشرکانہ طور طریقوں کے باوجود ان کے عقیدۂ توحید پر کوئی حرف نہیں آتا۔وہ اگر کھلے ذہن سے قرآن پڑھیں تو انہیں ہدایت نصیب ہو۔

۷۲۔ مراد مشرکوں،کافروں اور سرکش لوگوں کی آبادیاں ہیں۔چنانچہ اوپر آیت ۱۶ میں بھی اس سے ملتی جلتی بات بیان ہوئی ہے۔یہاں اس سنتِ الٰہی کو بیان فرمایا ہے کہ ایسی ہر آبادی کے لئے جو عقیدہ و عمل کے اس فساد میں مبتلا ہو،اور اس سے باز آنے کے لئے تیار نہ ہو،فیصلہ الٰہی یہ ہے کہ اسے دنیا میں یا تو مکمل تباہی سے دوچار ہونا ہے کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹادی جائے۔یا پھر کسی نہ کسی شکل میں سخت عذاب کا مزا چکھنا ہے۔مہلت کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو بہر حال قیامت سے پہلے دو میں سے ایک بات لازماً پیش آئے گی۔

تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے اور موجودہ دور میں تو ایسے واقعات بہ کثرت ہو رہے ہیں۔مثال کے طور پر زلزلوں سے بڑی بڑی آبادیاں تباہ ہورہی ہیں اور خدا کا عذاب انسان کی بمباری کی شکل میں بڑے بڑے شہروں پر نازل ہو کر انہیں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھاتا ہے۔

واضح رہے کہ آبادیوں پر اللہ کا یہ عذاب اس کے فساد عام کی بنا پر نازل ہوتا ہے۔ایسے موقع پر جو اچھے لوگ اس بستی میں رہتے ہوں اگر عذاب کی زد میں آتے ہوں تو درحقیقت یہ عذاب ان کے حق میں عذاب نہیں ہوتا۔اور قیامت کے دن ان کے عمل کو دیکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ عذاب اس عذاب سے کسی قدر مختلف ہوتے ہیں، جو کسی رسول کے جھٹلانے پر اس کی قوم پر رسول کی صداقت کی دلیل بن کر نازل ہوتا ہے۔اس میں کفر و ایمان کا دوٹوک فیصلہ ہوتا ہے۔اس لئے رسول اور اہل ایمان کو اس بستی سے جس پر عذاب نازل ہوتا ہے پہلے ہی نکال لیا جاتا ہے۔

۷۳۔ یہاں نشانیوں سے مراد حسی معجزے ہیں۔

۷۴۔ اس کی تشریح سورہ اعراف نوٹ ۱۱۹ میں گذر چکی۔

۷۵۔ یعنی معجزے کے طور پر جو چیزیں بھیجی جاتی ہیں وہ محض عجائبات دکھانے کیلئے نہیں بھیجی جاتیں۔ بلکہ ان کے بھیجنے سے مقصود عذاب الٰہی سے ڈرانا ہوتا ہے کہ اس صریح نشانی کو دیکھ کر بھی اگر تم ایمان نہیں لائے تو سمجھو کہ اللہ کا عذاب تمہارے سر پر منڈلا رہا ہے۔

۷۶۔ اشارہ ہے سورۂ بروج کی اس آیت کی طرف : بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ تَکۡذِیۡبٍ وَّ اللّٰہُ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ مُّحِیۡطٌ۔

''لیکن یہ کافر جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ان کو آگے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بات پہلے ہی واضح کر چکا ہے کہ لوگ پیغمبر اور قرآن کو جھٹلانے کیلئے ایک نہ ایک اعتراض کرتے رہیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ پوری طرح ان کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔اس لئے وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو نہیں سکیں گے۔اور قرآن اور پیغمبر کے تعلق سے اس کا جو منصوبہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

۷۷۔ متن میں لفظ ''الرؤیا'' استعمال ہوا ہے۔جس کے لغوی معنیٰ نیند کی حالت میں دیکھنے کے بھی ہیں۔اور بیداری کی حالت میں آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بھی۔(ملاحظہ ہو لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۹۷)

اور بخاری میں حضرت ابن عباس سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ: ھی رُؤیا عین اُریھا رسول اللہ ﷺ لیلۃ اُسری بِہ۔

''یہ چشم سر کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء کی شب کرایا گیا۔'' (بخاری کتاب التفسیر)

اسلئے اس سے مراد وہ عینی مشاہدہ ہے جو نبی ﷺ کو اسراء (مسجد اقصیٰ کے سفر) کے موقع پر کرایا گیا۔اور اسے رؤیا سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ بیت المقدس کا یہ سفر نہایت سرعت اور غیر معمولی کیفیت کے ساتھ ہوا تھا۔جس کا تصور اگر آدمی کر سکتا ہے۔تو خواب ہی کی صورت میں کر سکتا ہے۔لیکن یہ خواب ہرگز نہیں تھا۔اگر ایسا ہوتا تو نہ اس اہتمام کے ساتھ اس کے ذکر کی ضرورت ہوتی۔اور نہ قریش آپ کو جھٹلاتے۔اور نہ ہی یہ لوگوں کیلئے وجہ آزمائش (فتنہ) بنتا۔آزمائش تو لوگوں کی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ اس سفر کو جسمانی سفر، اور اس مشاہدہ کو بیداری کی حالت کا مشاہدہ قرار دیا جائے۔جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔

۷۸۔ مراد زقوم کا درخت ہے جس کا ذکر قرآن میں سورۂ صافات (آیت ۶۲ تا ۶۶) میں ہوا ہے۔یہ خبیث درخت جہنم میں ہوگا اور جہنمی اسی سے پیٹ بھریںگے۔گویا یہ درخت لعنت کا نشان ہوگا اس لئے اسے ملعون کہا گیا ہے۔قرآن کی اس خبر کو منکرین نے مذاق بنا لیا اور کہنے لگے کہ آگ میں بھی درخت اُگیں گے! حالانکہ یہ عالم آخرت کی بات بیان ہوئی ہے جس کے زمان و مکان دنیا کے زمان و مکان سے بالکل مختلف ہوں گے۔اگر اللہ تعالیٰ نے زقوم کے درخت کو فائر پروف (Fire Proof) بنایا ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

۷۹۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۷۰۴ میں گذر چکی۔

۸۰۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۴۸ میں گذر چکی۔

۸۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۔

نیز اس نے کہا کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس کو مجھ پر فضیلت بخشی۔ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی پوری نسل کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالوں گا۔ صرف تھوڑے لوگ اس سے بچ سکیں گے۔ فرمایا جا ! ان میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلیں گے تو جہنم ہی تم سب کے لئے پوری پوری سزا ہے۔ تو ان میں سے جس جس کو اپنی آواز سے بہکا سکتا ہے بہکا لے۔ پھر اپنے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر، مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا، ان سے وعدہ کر۔ اور شیطان جو وعدہ بھی کرتا ہے وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ سرتاسر دھوکا ہے۔ (القرآن)

قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٢﴾

٦٢ نیز اس نے کہا کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس کو مجھ پر فضیلت بخشی ۸۲ ۔ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی پوری نسل کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالوں گا۔ صرف تھوڑے لوگ اس سے بچ سکیں گے۔ ۸۳

قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ
جَزَاءً مَّوْفُورًا ﴿٦٣﴾

٦٣ فرمایا جا ! ان میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلیں گے تو جہنم ہی تم سب کے لئے پوری پوری سزا ہے۔ ۸۴

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ
وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ
وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾

٦٤ تو ان میں سے جس جس کو اپنی آواز سے بہکا سکتا ہے بہکا لے ۸۵۔ پھر اپنے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر ۸۶، مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا ۸۷، ان سے وعدہ کر۔ اور شیطان جو وعدہ بھی کرتا ہے وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ سرتا سر دھوکا ہے۔ ۸۸

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾

٦٥ یقیناً میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا ۸۹ ۔ اور تیرا رب کارسازی کے لئے کافی ہے۔ ۹۰

رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ
إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾

٦٦ تمہارا رب تو وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو ۹۱ ۔ یقیناً وہ تم پر بہت مہربان ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ
فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾

٦٧ جب سمندر میں تمہیں مصیبت آلیتی ہے تو اس ایک کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں ۹۲ ۔ پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑتے ہو۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ
عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

٦٨ پھر کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ خشکی کے کسی حصہ میں تم کو دھنسا دے یا تم پر سنگباری کرنے والی آندھی بھیج دے۔ پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ۔ ۹۳

أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ
فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ
ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾

٦٩ یا اس بات سے تم بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اس میں (سمندر میں) لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے اور تمہاری ناشکری کی وجہ سے تم کو غرق کردے۔ پھر تم کسی کو نہ پاؤ جو ہم سے پوچھ گچھ کرسکے۔ ۹۴

۸۲۔ ابلیس کا یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر تھا جس کے مطابق آدم کو زمین کا خلیفہ بنایا گیا۔اور اسے یہ اعزاز بخشا گیا کہ اس کے آگے فرشتے اور ابلیس سجدہ کریں۔اس اعتراض کا ابلیس کو نہ حق تھا اور نہ یہ صحیح ہوسکتا تھا۔اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی جس مخلوق کو جو درجہ چاہے عطا فرمائے اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔پھر اللہ علیم وخبیر ہے اس لئے اس کے فیصلے علم وحکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔اب اگر ابلیس پر یہ حکمت واضح نہیں ہوئی تھی یا اس کی سمجھ میں اس کی مصلحت نہیں آسکی تھی، تو یہ بات کس طرح صحیح ہوسکتی تھی کہ اللہ کے فیصلہ ہی کو غلط قرار دیا جائے؟

۸۳۔ ابلیس کو اندازہ ہوا کہ جذبات اور خواہشات رکھنے والے انسان کو، جب فائدوں اور لذتوں والی دنیا کے پرکشش ماحول میں امتحان کے لئے کھڑا کر دیا جائے گا تو اسے بہ آسانی بہکایا جاسکے گا۔اس لئے اس نے دعوے کے ساتھ کہا کہ اگر مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دی گئی، تو میں آدم کی پوری نسل کو اس کے اصل مقصدِ حیات سے غافل کر کے غلط راہ پر ڈال دوں گا ۔بس تھوڑے ہی لوگ ہوں گے جو میرے فریب میں نہیں آئیں گے۔

۸۴۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۲۔

۸۵۔ ابلیس کی آواز، اس کی پکار اور دعوت ہے گمراہی اور معصیت کی طرف جس کے لئے وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ کی ترقی نے شیطان کو یہ سہولت بہم پہنچائی ہے کہ ریڈیو، ٹیلی ویزن اور اخبارات کے ذرائع سے اس کی آواز دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے۔اور روز بروز اس کا شور و غوغا بڑھتا ہی جارہا ہے۔

۸۶۔ مراد ابلیس کی اولاد اور اس کے چیلے ہیں۔وہ انسان کو بہکانے کے لئے اس طرح حملہ آور ہوتے ہیں جیسے لشکر۔(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۱۔)

۸۷۔ مال میں شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ انسان حرام طریقہ سے مال کمائے اور حرام طریقہ سے خرچ کرے۔غیر اللہ کے لئے نذرونیاز، باطل مقاصد کے لئے مال لٹانا، برائیوں کو فروغ دینے کے لئے مالی وسائل لگانا شیطانی اغراض کو پورا کرنے اور اس کو مال میں شریک کرنے کی مثالیں ہیں۔

اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اشارہ پر اپنی اولاد کو کسی دیوی دیوتا یا کسی بزرگ یا ولی کی بخشش قرار دے یا اس کو مشرک اور کافر بنائے یا اس کی غلط تربیت کر کے اس کو فسق کی راہ پر ڈال دے۔

۸۸۔ اس کی تشریح سورۂ ابراہیم نوٹ ۲۹۔ میں گذر چکی۔

۸۹۔ اس کی تشریح سورۂ حجر نوٹ ۳۹۔ میں گذر چکی۔

۹۰۔ یعنی وہ اللہ پر بھروسہ کریں گے اور اللہ ان کی کارسازی کے لئے کافی ہوگا۔

۹۱۔ مراد رزقِ حلال ہے ۔

۹۲۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی فطرت ایک خدا ہی سے آشنا ہے۔ورنہ کیا وجہ ہے کہ طوفان کے زبردست خطرہ میں گھر جانے پر ایک خدا ہی یاد آنے لگتا ہے۔

۹۳۔ یعنی سمندری طوفان کے خطرہ سے نکلنے کے بعد جب تم صحیح سلامت خشکی پر پہنچتے ہو، تو پھر اپنی مشرکانہ روش پر لوٹ آتے ہو اور خشکی پر کوئی اندیشہ محسوس نہیں کرتے۔حالانکہ خطرہ وہاں بھی موجود ہوتا ہے۔کسی وقت بھی زلزلہ آسکتا ہے اور زمین کے دھنس جانے سے تم اس کے اندر دفن ہوسکتے ہو۔یا سنگ باری کرنے والی آندھی چل سکتی ہے اور تم اس کی زد میں آسکتے ہو۔اس قسم کی کوئی آفت بھی اللہ تعالیٰ بھیج دے تو کون ہے جو تمہیں اس سے بچائے گا؟

۹۴۔ یعنی یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ ایسے اسباب کردے کہ تم پھر سمندری سفر کے لئے مجبور ہوجاؤ۔اور وہاں وہ پھر بادِ تند چلا کر تم کو غرق کردے اور تمہیں اپنی ناشکری کا مزا چکھائے۔ایسی صورت میں کون ہے جو خدا کے مقابلہ میں تمہارا حمایتی بن کر کھڑا ہو؟ اور اس سے پوچھ گچھ کرسکے کہ اس نے تم کو کیوں غرق کیا؟

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

٧٠ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی، ۹۵ اور اس کو خشکی اور تری میں سواری عطا کی ۹۶ اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ۹۷، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس کو فضیلت دی۔ پوری پوری فضیلت۔ ۹۸

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾

٧١ جس دن ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے ۹۹۔ تو جن کو ان کا نامۂ اعمال دہنی ہاتھ میں دیا جائے گا ۱۰۰، وہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے۔ ۱۰۱ اور ان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں ہوگی۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾

٧٢ اور جو اس دنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا ۱۰۲۔ اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾

٧٣ یہ لوگ اس بات کے درپے تھے کہ تمہیں فتنہ میں ڈال کر اس (کلام) سے پھیر دیں جو ہم نے تم پر وحی کیا ہے تاکہ تم کوئی اور بات ہمارے نام سے گھڑ کر پیش کرو۔ اور اس صورت میں وہ تمہیں اپنا دوست بنا لیتے۔ ۱۰۳

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾

٧٤ اور اگر ہم نے تمہارے قدم نہ جما دئے ہوتے تو بعید نہ تھا کہ تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک پڑتے۔ ۱۰۴

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

٧٥ اس صورت میں ہم تمہیں زندگی کا بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی دوہرا عذاب۔ پھر تم ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ ۱۰۵

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾

٧٦ اور یہ اس بات کے درپے ہیں کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں تاکہ پھر تمہیں یہاں سے نکال دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کر بیٹھے تو تمہارے بعد بہت کم ٹھہر سکیں گے۔ ۱۰۶

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾

٧٧ تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے ان کے معاملہ میں ہمارا یہی قاعدہ رہا ہے اور ہمارے قاعدے میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ ۱۰۷

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾

٧٨ نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کی قرأتِ قرآن کا اہتمام کرو کہ فجر کی قرأتِ قرآن میں بڑی حضوری ہوتی ہے۔ ۱۰۸

۹۵۔ یعنی انسان کو اللہ نے عزت و شرف بخشا ہے۔ وہ پیدائشی گنہگار یا کوئی ذلیل مخلوق نہیں ہے۔ اور نہ اسے حیوان کی سطح پر رکھنا صحیح ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی صنف یا کوئی نسل یا کوئی طبقہ اپنی اصل کے اعتبار سے پست درجہ کا ہے۔ بلکہ ہر شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور کسی رنگ و نسل یا طبقہ سے تعلق رکھتا ہو نوع انسانی کا فرد ہونے کی حیثیت سے معزز اور محترم ہے۔ ذات پات، چھوت چھات، رنگ و نسل کے امتیازات اور عورتوں کے ذلیل ہونے کا تصور سب ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے پیدائشی مرتبہ کے خلاف ہیں۔ اور اسلام ان کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

۹۶۔ یہ اللہ کا بخشا ہوا کیسا اعزاز ہے کہ اس کی خدمت کے لئے خشکی میں بھی سواری حاضر ہے اور سمندر میں بھی سواری موجود، اور اب ایک اور نعمت کا اضافہ ہو گیا ہے کہ ہوا میں اڑنے کے لئے بھی سواری مہیا ہے۔ اگر اللہ انسان کو جانوروں پر سوار ہونے اور دوسری قسم کی سواریاں ایجاد کرنے کی صلاحیت نہ بخشا تو کیا وہ یہ اونچا مقام حاصل کر سکتا تھا؟

۹۷۔ حیوانات گھاس پھوس اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کا نہایت اعلیٰ ذوق بخشا، اور اس ذوق کی تکمیل کے لئے زمین پر انواع و اقسام کی پاکیزہ چیزوں کا دسترخوان بچھا دیا۔

۹۸۔ تفضیلاً (مفعول مطلق ہے) جس کا مطلب پوری پوری فضیلت ہے۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر پوری پوری فضیلت عطا کی ہے۔ جہاں تک زمین کی مخلوقات کا تعلق ہے یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ البتہ آسمان کی مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بعض اعتبارات سے انسان پر فضیلت رکھتی ہو۔ چنانچہ بعض اعتبار سے فرشتے انسان پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن کچھ دوسرے پہلوؤں کے پیش نظر انسان کو یہ فضیلت دی گئی کہ وہ مسجود ملائکہ قرار پایا۔

گویا انسان اور فرشتوں کے درمیان فضیلت کا معاملہ کلی یعنی پوری پوری فضیلت کا نہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے ہے۔ پھر یہ فضیلت تو انسان کی خلقت، اس کی قوتوں اور صلاحیتوں اور اس کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے لحاظ سے ہے، اس کا حقیقی مقام و مرتبہ تو قیامت کے دن ہی ظاہر ہو گا جب کہ انسان کی سعی و عمل کے نتائج ظہور میں آئیں گے۔ لہٰذا اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے کہ انسان افضل ہے یا فرشتے؟ بلکہ فکر اس بات کی کرنی چاہئے کہ جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشی ہے اس کا اہل ہم اپنے کو کس طرح ثابت کر دکھائیں۔ ورنہ نااہلی اور ناشکری کے نتیجہ میں انسان اَسفل السافلین ''پرلے درجہ کی پستی'' کو پہنچ سکتا ہے۔

۹۹۔ یعنی عقیدہ و عمل کے معاملہ میں جس شخص نے جس کو اپنا پیشوا، قائد یا لیڈر بنایا تھا اس کو اس کے ساتھ حاضر ہونا پڑے گا۔ مخلص مؤمن رسول کی قیادت میں جمع ہوں گے کہ انہوں نے رسول کو اپنا امام مان کر اس کی مخلصانہ پیروی کی تھی۔ بخلاف اس کے مشرک، اور کافر اپنے گمراہ لیڈروں کے ساتھ اور باطل مذاہب کے پیرو ان مذاہب کے گمراہ بانیوں کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

۱۰۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انشقاق نوٹ ۷۔

۱۰۱۔ یعنی وہ خوشی خوشی اپنا نامۂ عمل پڑھیں گے کیوں کہ دائیں ہاتھ میں دیا جانا کامیابی کی علامت ہو گا۔

۱۰۲۔ دنیا میں وہ اللہ کی نشانیاں دیکھتا رہا مگر دل کا اندھا بنا رہا۔ اس لئے اس کا بدلہ یہ ہو گا کہ وہ آخرت میں اندھا ہی رہے گا۔ آگے آیت ۹۷ میں اس سزا کی مزید وضاحت ہوئی ہے۔ واضح رہے کی قیامت کے دن مختلف مراحل سے گذرنا ہو گا۔ ایک مرحلہ وہ ہو گا جس میں کافروں کی نگاہیں خوب تیز ہونگی جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق: ۲۲) ''تو آج تیری نگاہیں خوب تیز ہیں''۔ نگاہوں کی یہ تیزی عذاب کے مشاہدہ کے لئے ہو گی۔ دوسرا مرحلہ وہ ہو گا جس میں وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو دیکھ کر بول اٹھیں گے کہ اے رب! یہ ہیں ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریک۔ اور ایک مرحلہ وہ ہو گا جب کہ انہیں اندھا بہرا گونگا بنا کر الٹے منہ جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔ (اللہ کی پناہ اس عذاب سے)

۱۰۳۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرکین نبی ﷺ پر قرآن میں تبدیلی کیلئے کتنا دباؤ ڈال رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر آپ قرآن کو بالکلیہ چھوڑ نے

کیلئے تیار نہیں ،تو کم از کم اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں کرلیں کہ وہ بُت پرستی کے بالکل خلاف نہ رہے۔اس شرط پر وہ ان کے ساتھ مصالحت اور دوستی کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔

موجودہ دور کے مشرکوں اور کافروں میں اسی ذہنیت کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ توحید کو اس طرح پیش کریں کہ شرک اور بُت پرستی کی تردید نہ ہو۔اور اسلام کو اس طرح پیش کریں کہ دوسرے مذاہب کی سچائی پر آنچ نہ آئے۔

۱۰۴؎ یعنی مشرکین کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ ایک نبی کے لئے بھی اپنے موقف پر جمے رہنا آسان نہ تھا۔مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کی عصمت کے تحفظ کا جو سامان ہوتا ہے اور اس کی جو توفیق اس کے شاملِ حال ہوتی ہے اس کی بنا پر آپ اپنے موقف پر پوری طرح جمے رہے۔

۱۰۵؎ یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی تنبیہ ہے۔اور مشرکین پر یہ واضح کرنا ہے کہ تم ہمارے رسول سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری باتوں میں آکر شرک کے معاملہ میں کچھ نرمی دکھائے گا۔اگر بالفرض ایسا ہوا تو یہ منصبِ رسالت کے سراسر خلاف ہوگا اور اس کی بنا پر رسول دنیا و آخرت دونوں میں دوہری سزا کا مستحق قرار پائے گا۔اس جواب سے یہ بات خود بخود واضح ہے کہ شرک کے معاملہ میں رسول سے کسی سمجھوتہ کی توقع رکھنا فضول ہے۔

۱۰۶؎ یعنی مشرکین مکہ نے ایسے حالات پیدا کر دئے ہیں کہ اے پیغمبر تم اس سرزمین میں رہ نہ سکو اور ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہو جاؤ۔اگر ایسا ہوا تو یہ لوگ یاد رکھیں کہ وہ پیغمبر کے ہجرت کر جانے کے بعد یہاں ٹک نہ سکیں گے۔ان کا عذاب کی گرفت میں آجانا بالکل یقینی ہے۔

۱۰۷؎ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ناقابلِ تغیر ہے کہ جب کوئی قوم اپنے رسول کو اپنی بستی سے نکال دیتی ہے،تو رسول کے ہجرت کر جانے کے بعد اس کی مہلتِ عمل بہت جلد ختم ہو جاتی ہے اور وہ عذاب کی گرفت میں آجاتی ہے۔

اس قاعدہ کا ظہور مشرکین مکہ کے بارے میں بھی ہوا۔نبی ﷺ کے مکہ سے ہجرت کر جانے کے بعد دو ہی سال کے اندر بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں مشرکین کے بڑے بڑے لیڈر مارے گئے۔اور اس کے بعد چند سال کے اندر اندر مکہ سے مشرکین کا مکمل صفایا ہو گیا۔یہ تھی سزا جو اللہ کی سنت (قاعدہ) کے مطابق ان لوگوں کو مل کر رہی،جنہوں نے رسول کو اس سرزمین سے نکالا اور اخیر وقت تک شرک اور کفر پر جمے رہے۔

۱۰۸؎ سورج کے ڈھلنے کے تین اوقات ہیں۔ایک وہ جب کہ سورج نصف آسمان سے ڈھلنے لگتا ہے جسے زوال آفتاب کہتے ہیں۔زوال کے بعد ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔دوسرا وقت سورج ڈھلنے کا وہ ہوتا ہے جب کہ کسی بھی چیز کا سایہ اس کے مثل یعنی اس کے برابر ہو جاتا ہے یہ عصر کی نماز کا وقت ہے۔اور تیسرا وقت سورج کے ڈھلنے کا،یا اس کا غروب ہو جانا ہے۔یہ مغرب کی نماز کا وقت ہے۔

رات کے اندھیرے سے مراد وہ وقت ہے جو شفق کے غروب ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔یہ عشاء کی نماز کا وقت ہے۔اور فجر سے مراد پو پھٹنے کا وقت ہے۔اس وقت نماز فجر ادا کی جاتی ہے۔اس طرح دن اور رات میں پانچ نمازیں ہوئیں جو ہر مسلمان پر فرض کر دی گئی ہیں۔ان اوقات کی تفصیلات حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔

فجر کی قرأت قرآن سے مراد فجر کی نماز ہے۔اور اسے قرأت قرآن سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز کی یہ شان واضح ہو جائے کہ وہ نسبتاً طویل قرأت والی نماز ہے۔پھر فجر کی نماز کو مشہود اس بنا پر کہا گیا کہ وہ وقت دل کی حضوری کا بھی ہوتا ہے اور فرشتوں کی حاضری کا بھی۔چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

تَشْهَدُ مَلٰئِکۃُ اللیل و ملائِکۃُ النھار ؎

''اس وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔'' (ترمذی ابواب التفسیر)

اور رات میں تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے مزید ہے۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تمہیں ایسے مقام پر اٹھائے جو نہایت محمود ہے۔ اور دعا کرو کہ اے میرے رب! مجھے (جہاں کہیں) داخل کر تو سچائی کے ساتھ داخل کر اور مجھے نکال تو سچائی کے ساتھ نکال ۔ اور اپنی طرف سے ایسا غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو۔ اور اعلان کر دو حق آ گیا اور باطل نابود ہوا۔ اور باطل ہے ہی نابود ہونے والا۔ اور ہم قرآن کی شکل میں وہ چیز نازل کر رہے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء بھی ہے اور رحمت بھی ۔ مگر ظالموں کے خسارہ میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ (القرآن)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾

٧٩ اور رات میں تہجد پڑھو۔ یہ تمہارے لئے مزید ہے ۱۰۹؎ ۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تمہیں ایسے مقام پر اٹھائے جو نہایت محمود ہے۔ ۱۱۰؎

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾

٨٠ اور دعا کرو کہ اے میرے رب! مجھے (جہاں کہیں) داخل کر تو سچائی کے ساتھ داخل کر اور مجھے نکال تو سچائی کے ساتھ نکال ۱۱۱؎ اور اپنی طرف سے ایسا غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار رہو۔ ۱۱۲؎

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾

٨١ اور اعلان کردو حق آ گیا اور باطل نابود ہوا۔ اور باطل ہے ہی نابود ہونے والا۔ ۱۱۳؎

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

٨٢ اور ہم قرآن کی شکل میں وہ چیز نازل کر رہے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء بھی ہے ۱۱۴؎ اور رحمت بھی ۱۱۵؎ ۔ مگر ظالموں کے خسارہ میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ۱۱۶؎

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا ﴿٨٣﴾

٨٣ اور انسان کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور پہلو بچا کر چلتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے۔ ۱۱۷؎

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾

٨٤ کہو ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔ اور تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون بالکل صحیح راہ پر ہے۔ ۱۱۸؎

وَيَسْـــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾

٨٥ یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو روح میرے رب کا فرمان ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔ ۱۱۹؎

وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿٨٦﴾

٨٦ اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تم پر کی ہے اس کو چھین لیں پھر تم ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی نہ پاؤ۔ ۱۲۰؎

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿٨٧﴾

٨٧ مگر یہ تمہارے رب کی رحمت ہے (جو تمہیں عطا ہوئی ہے)۔ یقیناً تم پر اس کا بہت بڑا فضل ہے۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾

٨٨ کہو اگر تمام انس و جنّ ملکر اس قرآن جیسی چیز لانا چاہیں تو اس جیسی چیز نہیں لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ ۱۲۱؎

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾

٨٩ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے بیان کے مختلف طریقے اختیار کئے۔ مگر اکثر لوگوں نے اس کا کوئی اثر قبول نہیں کیا، اگر کیا تو کفر۔ ۱۲۲؎

۱۰۹؎ تہجد سے مرادرات کو سو کر اٹھنے کے بعد کی نماز ہے۔اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے البتہ اخیر شب کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوئی کہ یہ نماز تمہارے حق میں زائد ہے۔یعنی ان فرائض کے علاوہ ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

۱۱۰؎ مقام محمود سے مراد مرتبہ کی وہ بلندی ہے جو زبانوں پر ستائش کے کلمات جاری کرے۔

جس وقت یہ سورہ نازل ہوئی ہے منکرین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے آزار تھے۔انہوں نے اس بات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی کہ آپ کو لوگوں کی نظروں سے گرادیا جائے۔مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس وقت یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرنا چاہتا ہے۔یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حوصلہ افزا ہونے کے علاوہ ایسی تھی کہ اس کی صداقت دنیا پر ظاہر ہو کر رہی۔آپ کی شخصیت ہر انصاف پسند آدمی کی نظر میں قابل تعریف ہی قرار پائی۔اور آپ کی امت کو جو عقیدت آپ سے ہے وہ کسی انسان سے نہیں۔ہر مسلمان اپنی نمازوں میں روزآنہ درود و سلام کا تحفہ آپ کو بھیجتا ہے۔پھر دنیا میں جو مقام آپ کو حاصل ہوا اس سے کہیں بڑھ کر مقام آپ کو آخرت میں حاصل ہوگا۔قیامت کے دن آپ کی شانِ محمودیت پوری طرح نمایاں ہوگی۔حوضِ کوثر پر بھی اور دیگر مواقع پر بھی۔

۱۱۱؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ہجرت کا وقت قریب آگا ہے۔چنانچہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ پیش آیا۔

اس دعا میں ہجرت کی اصل روح جھلکتی ہے اور وہ یہ کہ نکلنا بھی سچائی اور عزت کے ساتھ ہو اور داخل ہونا بھی سچائی اور عزت کے ساتھ۔چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ سے فرار نہیں تھا۔بلکہ اللہ کی راہ میں باعزت طریقہ پر ترک وطن تھا۔اور مدینہ میں آپ کا داخل ہونا ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے نہیں تھا۔بلکہ ایک عظیم مقصد کے لئے داخل ہونا تھا۔اس لئے آپ کے ساتھیوں نے آپ کا استقبال اس طرح کیا کہ اپنی آنکھیں اور اپنے دل بچھادئے۔

۱۱۲؎ غلبہ سے مراد قوت و اقتدار ہے۔اور مددگار کی صفت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ایسا غلبہ مطلوب ہے، جو دشمنان اسلام کو زیر کرنے میں معاون بنے اور حق کو غالب کردے۔

یہ دعا مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے توسط سے اہل ایمان کو سکھائی گئی تھی، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دین حق کے لئے قوت، غلبہ اور اقتدار کی طلب ایک پسندیدہ اور مطلوب چیز ہے۔موجودہ زمانہ میں جو مسلمان اس کی طلب پر معترض ہوتے ہیں۔اور چاہتے ہیں کہ اسلام کے ساتھ غلبہ و اقتدار کی بات سرے سے کی ہی نہ جائے۔وہ اپنا تصور دین قرآن سے اخذ کرنے کے بجائے کہیں اور سے اخذ کرتے ہیں۔

۱۱۳؎ یہ قرآن کی پیشین گوئی تھی کہ اگر چہ اس وقت مکہ میں حق مظلوم ہے۔لیکن بس سمجھو کہ حق غالب ہو ہی گیا اور باطل نابود ہوا۔اس اعلان کو دس سال بھی گذرنے نہیں پائے تھے کہ ۸؁ھ میں اسلام مکہ میں فاتحانہ داخل ہوا۔اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کو اپنے نیزے سے گراتے جاتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے جَاءَ الحَقُّ وَ زَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (حق آگیا اور باطل نابود ہوا اور باطل نابود ہونے ہی کیلئے تھا)۔اس طرح حق کے غالب ہونے اور باطل کے نابود ہونے کا منظر لوگوں نے دیکھ لیا اور قرآن کے بیان کی سچائی ثابت ہو کر رہی۔

۱۱۴؎ اس کی تشریح سورۂ یونس نوٹ ۸۸؎ میں گذر چکی۔

۱۱۵؎ اس کی تشریح سورۂ یونس نوٹ ۹۰؎ میں گذر چکی۔

۱۱۶؎ ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق و انصاف کی بات سننا نہیں چاہتے۔ایسے لوگ قرآن کی دعوت حق پر کیونکر کان دھرنے لگیں۔ایسے لوگوں پر قرآن کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔اور ان کی بڑھتی ہوئی مخالفت ان کی تباہی کو اور بڑھا دیتی ہے۔

۱۱۷؎ یعنی انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی کسی نعمت کو پا کر اپنے محسن کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔اور کسی تکلیف کے پہنچنے پر مایوسی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔یعنی نہ وہ شکر کا ثبوت دیتا ہے اور نہ صبر کا۔قرآن جیسی نعمت کو پا کر بھی وہ اسی ذہنیت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔حالانکہ اسے اس نعمت کے حاصل ہو جانے پر اللہ کا

شکر گذار ہونا چاہئے تھا۔

۱۱۸؎ یعنی خدا اور آخرت کے تعلق سے ہر شخص نے اپنے لئے ایک راہ عمل متعین کر لی ہے۔ اور ہر ایک کا ایک مذہب ہے، جس سے وہ وابستہ ہے اور جس کے صحیح اور حق ہونے کا وہ مدعی ہے۔ لیکن قطعی علم تو اللہ ہی کو ہو سکتا ہے کہ کون برسر حق ہے۔ چنانچہ اس نے رسول کا برسر حق ہونا اور راہ ہدایت پر ہونا وحی کے ذریعہ تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ اب اگر تم نہ مانو تو اپنے عمل کے تم ذمہ دار ہو۔

۱۱۹؎ یہاں روح سے مراد "وحی" ہے اور قرآن میں یہ لفظ وحی کے لئے اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ نحل نوٹ ۳؎) اور یہاں سلسلۂ کلام دلیل ہے۔ سوال قرآن کی وحی سے متعلق تھا یعنی سوال کرنے والے اس خفیہ پیغام رسانی کی حقیقت کو جاننا چاہتے تھے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ تمہارے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ یہ اللہ کا فرمان ہے۔ رہی اس کی حقیقت کہ یہ عمل کس طرح انجام پاتا ہے تو یہ غیب کے ان اسرار میں سے ہے جس کا انسان کو علم نہیں۔ اور انسان کو اتنا ہی علم بخشا گیا ہے جتنا کہ اس امتحانی زندگی سے گذرنے کے لئے ضروری تھا۔ پس جب ایک عظیم مصلحت کے پیش نظر "وحی" کی کیفیت کے راز کو پوری طرح انسان پر نہیں کھولا گیا، تو اس کی کیفیت کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لئے اصرار صحیح نہیں، اور نہ اس بنا پر اس کا انکار کرنا صحیح ہے کہ یہ چیز ہمارے علم کی گرفت میں نہیں آسکی ہے۔ اگر ریڈیائی لہروں سے انسان اس سے پہلے آشنا نہیں تھا تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پھر اگر وحی کا تجربہ ہمیں نہیں ہوتا اور صرف انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے، جن کی صداقت شبہ سے بالاتر ہوتی ہے، اور ان کا لایا ہوا پیغام خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ وحی الٰہی ہے، تو پھر اس پر یقین کیوں نہ کر لیا جائے؟ کیا اس سے انکار حقیقت کا انکار نہیں ہوگا؟ اور حقیقت کا انکار کر کے ہم اپنی زندگیوں کو غلط راہوں پر نہیں ڈالیں گے؟

۱۲۰؎ یعنی جس طرح اللہ نے اپنے رسول پر یہ وحی (قرآن) نازل کی ہے، وہ چاہے تو اسے سلب بھی کر سکتا ہے یعنی وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسے واپس دلا سکے۔ مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن کا نزول اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اس میں پیغمبر کا اپنا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس لئے اس کو پیغمبر کی تصنیف سمجھنا خلاف واقعہ ہے۔

۱۲۱؎ یہ چیلنج ہے قرآن کا کہ کوئی ایک فرد ہی نہیں، پوری انسانیت اور پوری انسانیت ہی نہیں، اس کے ساتھ تمام جنات بھی مل کر اس جیسی کتاب تصنیف کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس چیلنج کو چودہ صدیاں گذر گئیں مگر کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا زندہ معجزہ ہے، رہتی دنیا تک کے لئے۔ اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت واقعہ ہے۔ اس کے معجزانہ پہلوؤں کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۳۰؎۔

۱۲۲؎ یعنی ہم نے قرآن میں دعوت کو مختلف پیرایوں میں پیش کیا۔ اور تذکیر و تفہیم کے لئے مختلف اسلوب اختیار کئے، تاکہ جو طبیعتیں جس طریقہ سے مانوس ہوں بات سمجھ لیں۔ مگر اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ انکار پر جمے ہوئے ہیں اور کوئی بات سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

موجودہ دور میں منکرین کا قرآن پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں ایک ہی بات کو بار بار دہرایا گیا ہے یعنی (Repetition) بہت ہے، حالانکہ قرآن اس کو ہدایت و فہمائش کے سلسلہ کی ایک ضرورت قرار دے رہا ہے۔ اصل میں لوگ قرآن کو عام کتابوں پر قیاس کرتے ہیں، جو کسی علمی مقصد یا معلومات میں اضافہ کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ جبکہ قرآن کا موضوع ہدایت الٰہی ہے اور اس کے نزول کا مقصد لوگوں کی زندگیوں کو بدلنا اور ان کی صحیح فکری و عملی تربیت کرنا ہے۔ رہنمائی و تربیت کے لئے ضروری ہے کہ ہر موڑ پر نشانِ راہ واضح کیا جائے اور موقع کی مناسبت سے سبق دہرایا جائے تاکہ وہ ذہن میں پختہ ہو جائے۔ نیز مدعا کو واضح کرنے کے لئے مختلف اسلوب اختیار کئے جائیں۔ گویا جو قرآن کی خوبی تھی وہ ان ناقدروں کی نگاہ میں عیب قرار پائی!

واضح رہے کہ دوسری آسمانی کتابوں کا بھی یہی اسلوب رہا ہے۔ چنانچہ تورات اور زبور میں ایک بات کو کئی بار دہرایا گیا ہے۔ گویا آسمانی کتابوں کی یہ مشترک خصوصیت ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں جب تک کہ تم زمین
سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کردو۔ یا تمہارے پاس کھجوروں
اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان نہریں جاری کردو۔
یا آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرادو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے یا
اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آؤ۔ یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر
ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمہارے چڑھنے کا بھی یقین
کرنے والے نہیں جب تک کہ تم ہم پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب
نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ سکیں۔ کہو پاک ہے میرا رب! میں اس کے
سوا کیا ہوں کہ ایک رسول (پیغام پہنچانے والا) بشر۔ (القرآن)

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ
فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾
اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ
كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى
اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾
قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾
وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا
وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾
ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا
وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

۹۰ وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں جب تک کہ تم زمین سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کر دو۔

۹۱ یا تمہارے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دو۔

۹۲ یا آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے یا، اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آؤ۔

۹۳ یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمہارے چڑھنے کا بھی یقین کرنے والے نہیں جب تک کہ تم ہم پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ سکیں۔ کہو پاک ہے میرا رب! میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک رسول (پیغام پہنچانے والا) بشر۔ ۱۲۳ ؎

۹۴ اور لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ہدایت ان کے پاس آ گئی، اسی چیز نے روکا کہ کہنے لگے کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ۱۲۴ ؎

۹۵ کہو اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان کے پاس کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ ۱۲۵ ؎

۹۶ کہو اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

۹۷ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو ایسے لوگوں کے لئے تم اس کے سوا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے۔ اندھے، گونگے اور بہرے ۱۲۶ ؎ ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے کو ہوگی ہم اس کو اور بھڑکا دیں گے۔ ۱۲۷ ؎

۹۸ یہ بدلہ ہوگا اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا۔ اور کہا کیا ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے تو ہم کو نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟ ۱۲۸ ؎

۱۲۳۔ یہ ان کے لمبے چوڑے مطالبات کا مختصر جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے خدائی کا دعویٰ کب کیا ہے جو تم مجھ سے یہ مطالبات کرتے ہو ۔۔۔۔ اللہ ہر شرک سے پاک ہے ۔۔۔۔۔ میں نے اپنے کو صرف رسول کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ لہٰذا تم میرے پیغام کو جانچو اور پرکھو۔ معجزے اور چمتکار دکھانا رسول کے بس میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ ابراہیم نوٹ ۲۰۔)

۱۲۴۔ یعنی لوگوں کا اپنا تصور یہ ہے کہ زمین پر چلنے پھرنے والا انسان پیغمبر کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر واقعی اللہ کو اپنا پیغمبر بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتا۔ اس غلط تصور کی وجہ سے وہ ایک انسان کے پیغمبر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ کہ خدا کی ہدایت سے جو پیغمبر پر نازل ہوئی محروم رہتے ہیں۔

۱۲۵۔ اگرچہ زمین پر فرشتوں کی آمد ورفت رہتی ہے، لیکن زمین پر اطمینان سے چلنے پھرنے والی مخلوق، جسے امتحان گاہ میں کھڑا کیا گیا ہے انسان ہی ہے۔ اس لئے انسانوں کی طرف کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجنا تقاضائے حکمت ہے کیونکہ رسول کی زندگی ایک نمونہ ہوتی ہے اور وہ لائق اتباع ہوتا ہے۔ اگر فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جائے تو اس کی زندگی کس طرح نمونہ ہوگی اور وہ کس طرح لائق اتباع ہوگا؟

۱۲۶۔ اس کی تشریح نوٹ ۱۰۲۔ میں گذر چکی۔

۱۲۷۔ یعنی جہنم کی آگ کبھی بجھنے والی نہیں۔ ذرا دھیمی ہونے کو ہوئی تو اسے اور بھڑکا دیا جائے گا۔

سائنس داں کہتے ہیں کہ سورج میں ایٹمی دھماکے ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی حرارت برقرار رہتی ہے۔ یہ تو ہے اس مادی دنیا کا حال اور ہم آخرت کو تو اس پر قیاس کر نہیں سکتے لہٰذا اگر جہنم کی آگ کے دائمی طور پر بھڑکتے رہنے کی خبر ہمیں قرآن دیتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

۱۲۸۔ انسان اس بات کا ذمہ دار (مکلف) ہے کہ اللہ کی نشانیوں کو مانے اور آخرت پر ایمان لائے۔ اس سے انکار کے معنیٰ اللہ سے کفر اور سرکشی کے ہیں اور جہنم کی یہ کڑی سزا اسی کفر و سرکشی کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے۔

❑❑❑❑❑❑

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَأَبَى الظّٰلِمُوْنَ إِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

۹۹ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ان جیسوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے ۱۲۹ف ۔اس نے ان کیلئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ مگر ظالموں کیلئے سوائے انکار کے کوئی بات بھی قابل قبول نہیں۔ ۱۳۰ف

قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ کہو اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے اندیشے سے انہیں روک رکھتے ۔ انسان بڑا ہی تنگ دل واقع ہوا ہے۔ ۱۳۱ف

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ إِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ إِنِّيْ لَأَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں ۱۳۲ف ۔تم بنی اسرائیل سے پوچھ لو جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے کہا اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ ۱۳۳ف

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَإِنِّيْ لَأَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ انہوں نے (موسیٰ نے) جواب دیا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بصیرت کی نشانیاں اسی نے اتار دی ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ۱۳۴ف ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اے فرعون! تم نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ ۱۳۵ف

فَأَرَادَ أَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ پھر اس نے چاہا کہ ان کے قدم زمین سے اکھاڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک ساتھ غرق کر دیا۔ ۱۳۶ف

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین میں بسو ۱۳۷ف۔ پھر جب آخرت کا وعدہ (وقوع میں) آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لا حاضر کریں گے۔ ۱۳۸ف

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ ہم نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے ۱۳۹ف ۔ اور ہم نے تم کو اسی لئے بھیجا ہے کہ خوشخبری سناؤ اور خبردار کرو۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ اور ہم نے قرآن کو الگ الگ حصوں کی شکل میں نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کو تم ٹھہر ٹھہر کر سناؤ اور ہم نے اس کو بتدریج اتارا ہے۔ ۱۴۰ف

۱۲۹؎ یعنی اتنی موٹی بات بھی ان منکرین کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ہستی آسمانوں اور زمین کی خالق ہو، اس کیلئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

۱۳۰؎ یعنی قیامت کا وقوع شبہ سے بالاتر ہے اور نہایت مضبوط دلائل سے اسے واضح کیا جا چکا۔ مگر جو لوگ غلط ہیں اور غلط کار ہیں وہ انکار پر اس طرح مصر ہیں کہ کوئی بات اور کوئی حجت بھی ان کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

۱۳۱؎ مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ آخرت تقاضائے رحمت ہے۔ اس کی رحمت بے کراں ہے اور خرچ کرنے سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے مخلص بندوں کو اپنی رحمت سے دائمی طور پر اس طرح نوازے کہ وہ نہال ہو جائیں۔ جنت، اس نے فیضان رحمت ہی کے لئے بنائی ہے، لہٰذا انسان کا آخرت سے انکار اور جنت کو ناممکن خیال کرنا اللہ کی صفت رحمت کا سراسر غلط تصور ہے۔ دراصل انسان بڑا تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے اس لئے اللہ کی رحمت کی یہ وسعت اس کے لئے ناقابل قبول بن جاتی ہے، اور ان منکرین کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ اپنی رحمت کے خزانوں کا انہیں مالک بنا دیتا یعنی مال و دولت کے خزانے ان کے حوالے کر دیتا، تو یہ اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ ختم نہ ہو جائے خرچ کرنے اور لوگوں کو اس سے فیض پہنچانے سے ہاتھ روک لیتے۔ تو کیا یہ خدا کو بھی اپنے ہی اوپر قیاس کر رہے ہیں؟ کیا اس کی رحمت کے خزانوں میں کوئی کمی ہوگی اگر وہ اپنے مخلص بندوں کے لئے آخرت میں اس کے دروازے کھول دیتا ہے؟ اگر ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہے تو پھر سمجھ لو کہ جنت عین تقاضائے رحمت ہے اور اس کے لئے دوسری زندگی ضروری۔

۱۳۲؎ جن نو معجزوں کا ظہور موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوا تھا ان کا بیان سورۂ اعراف میں گذر چکا یعنی (۱) عصا کا سانپ بن جانا (۲) ید بیضا (۳) قحط سالی (۴) پیداوار میں کمی (۵) طوفان (۶) ٹڈیاں (۷) جوئیں (۸) مینڈک (۹) خون۔

تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۳؎، ۱۶۴؎، ۱۸۶؎، ۱۸۷؎، ۱۸۸؎، ۱۸۹؎، ۱۹۰؎، ۱۹۱؎،

۱۳۳؎ یعنی بنی اسرائیل کو اچھی طرح معلوم ہے کہ موسیٰ کے نو، نو معجزات کو دیکھ لینے کے بعد بھی فرعون ایمان نہیں لایا تھا، بلکہ موسیٰ کو یہ کہہ کر جھٹلایا تھا کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے اس لئے وہ نبوت کی باتیں کر رہے۔ فرعون کی اس ہٹ دھرمی کو مشرکین مکہ کے سامنے جو معجزات کا مطالبہ کر رہے تھے، مثال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ اس غیر ضروری مطالبہ سے باز آجائیں۔

۱۳۴؎ یعنی یہ نشانیاں انسان کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں، اور اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ ربّ کائنات کی طرف سے ظہور میں آئی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان کے معجزہ ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۳۵؎ بنی اسرائیل ملک چھوڑ کر جانا چاہتے تھے لیکن فرعون انہیں اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ البتہ بعد میں یہ دیکھ کر کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل کی وجہ سے ایک نہ ایک آفت سے اسے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے ملک سے بے دخل کرنا چاہا۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون کو خود ہی اپنے ملک سے ہمیشہ کے لئے بے دخل ہونا پڑا۔ وہ اور اس کے ساتھی سمندر میں غرق ہو کر رہ گئے۔

قریش بھی اس بات کے درپے تھے کہ نبی ﷺ کے قدم مکہ سے اکھڑ جائیں، اس لئے ان کو یہ واقعہ عبرت کے لئے سنایا گیا۔ مگر انہوں نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا اور نبی ﷺ کو اس بات کیلئے مجبور کیا کہ آپ مکہ چھوڑ دیں۔ نتیجہ یہ کہ ان کو خود ہی مکہ سے نکل جانا پڑا اور نبی ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔

۱۳۶؎ مراد شام و فلسطین کی سرزمین ہے کیوں کہ مصر چھوڑنے کے بعد بنی اسرائیل وادیٔ تیہ ہو کر اپنے آبائی وطن پہنچ گئے تھے۔

۱۳۷؎ یعنی یہ نہ سمجھو کہ دنیا میں انہیں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔ بلکہ یاد رکھو کہ اصل گھر آخرت کا ہے۔ اور جب قیامت برپا ہوگی تو ہم، تم سب کو اپنے حضور جمع کریں گے۔

مگر اس سبق کو بنی اسرائیل بھول گئے، چنانچہ موجودہ تورات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ انہوں نے یاد رکھا تو صرف اس بات کو کہ انہیں ایک ایسا ملک ملا ہے جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

۱۳۸۔ سلسلۂ بیان قرآن سے متعلق تھا۔ درمیان میں معجزہ کے تعلق سے موسیٰ اور فرعون کا قصہ آیا ہے۔ اب پھر بیان کا رخ قرآن کی طرف مڑ گیا ہے۔

۱۳۹۔ یعنی قرآن سرتاسر حق اور ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہے۔ اس میں نہ شیطان دخل اندازی کر سکا ہے اور نہ کسی اور کی طرف سے اس میں کمی بیشی ہو سکی ہے۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کرنا چاہا اسی طرح وہ پیغمبر پر نازل ہوا، اور جس طرح پیغمبر پر نازل ہوا تھا اس نے تمہارے سامنے پوری امانتداری کے ساتھ پیش کر دیا۔

۱۴۰۔ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ قرآن کو بیک وقت مکمل کتاب کی شکل میں کیوں نہیں اتارا گیا۔ فرمایا قرآن کو آیتوں اور سورتوں کی شکل میں بتدریج نازل کیا گیا تاکہ پیغمبر لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائے۔

جو لوگ قرآن کے اوّلین مخاطب تھے ان کے لئے یہ رعایت ضروری تھی، کہ پیغمبر کی دعوت کے نتیجہ میں جس طرح کے حالات پیدا ہوں، ان کی مناسبت سے ہدایت کی راہ بھی روشن ہوتی چلی جائے۔ اس طرح لوگوں کے لئے دعوت کو سمجھنا بھی آسان ہو جائے اور راہِ ہدایت پر چلنا بھی۔

کہو تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اور پکار اٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب۔ ہمارے رب کا وعدہ تو اسی لئے تھا کہ پورا ہو کر رہے۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اس سے ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔ کہو تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔ جس نام سے بھی پکارو اس کے لئے سب اچھے ہی نام ہیں۔ اور تم اپنی نماز کو نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل ہی پست آواز سے، بلکہ ان کے درمیان کی صورت اختیار کرو۔ (القرآن)

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ ۱۰۷

۱۰۷ کہو تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ۱۴۱؎، انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ ۱۴۲؎

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۱۰۸

۱۰۸ اور پکار اٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب۔ ہمارے رب کا وعدہ تو اسی لئے تھا کہ پورا ہو کر رہے۔ ۱۴۳؎

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ۱۰۹

۱۰۹ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اس سے ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔ ۱۴۴؎

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا
وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۱۱۰

۱۱۰ کہو تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر ۱۴۵؎۔ جس نام سے بھی پکارو اس کے لئے سب اچھے ہی نام ہیں ۱۴۶؎۔ اور تم اپنی نماز کو نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل ہی پست آواز سے، بلکہ ان کے درمیان کی صورت اختیار کرو۔ ۱۴۷؎

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۱۱۱ ع

۱۱۱ اور کہو ساری ستائش اللہ ہی کے لئے ہے ۱۴۸؎، جس نے اپنے لئے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو ۱۴۹؎۔ اور اس کی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنا چاہئے۔ ۱۵۰؎

۱۴۱۔ مراد وہ اہل کتاب ہیں جو کتاب الٰہی کا علم بھی رکھتے تھے اور صالح بھی تھے۔ وہ قرآن کو سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور پھر ان پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو آگے بیان ہوئی ہے۔

۱۴۲۔ ٹھوڑیوں کا لفظ منہ کے لئے کنایۃً استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ منہ کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تکبر کرنے والے تو اپنی ٹھوڑیاں اوپر اٹھاتے ہیں۔ لیکن ان مؤمنین، صالحین کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ٹھوڑیاں اللہ کے حضور جھکاتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

۱۴۳۔ یعنی تورات و انجیل میں جن صفات والے رسول کے بھیجنے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ حضرت محمد ﷺ کے آنے سے پورا ہو گیا۔

۱۴۴۔ یعنی قرآن سن کر ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اس طرح قرآن کی سماعت ان کے خشوع میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے ان کا پہلا سجدہ جس کا ذکر اوپر آیت ۱۰۷ میں ہوا، نزول قرآن کی خوشی میں تھا۔ اور یہ دوسرا سجدہ اس رقت کے نتیجہ میں ہے جو قرآن کو سن کر دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ آیت سجدہ ہے اس لئے اس کی تلاوت پر سجدہ کر لینا چاہئے۔

۱۴۵۔ لفظ رحمٰن کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ فاتحہ نوٹ ۵۔

قرآن میں رحمٰن کا لفظ اللہ کے لئے اسم صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے اور اسم علم کے طور پر بھی۔ اس لئے یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔

منکرین قرآن نے ایک بلا وجہ کا اعتراض یہ اٹھایا تھا کہ تم خدا کے لئے اللہ اور رحمٰن دو لفظ استعمال کرتے ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو خدا ہیں۔ جب کہ ہم اللہ سے ہی آشنا ہیں رحمٰن سے نہیں۔ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ خدا ایک ہی ہے اسے اللہ کہہ کر، پکارو یا رحمٰن کہہ کر اس سے توحید میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مطلب یہ ہے کہ تم لفظی بحث میں الجھ رہے ہو جب کہ معنیٰ اور حقیقت ایک ہی ہے۔

۱۴۶۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۷۸ اور ۲۷۹۔

۱۴۷۔ چونکہ اللہ کو پکارنے کی بہترین شکل نماز ہے۔ اس لئے یہاں ہدایت کی گئی کہ اس کو سنجیدگی کے ساتھ پر وقار انداز میں ادا کیا جائے۔ نہ تو نماز میں اتنی آواز بلند کی جائے کہ ادب کے منافی ہو اور نہ اتنی پست کی مقتدیوں کو جو قرأت سنانا ہو وہ سن نہ سکیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی آواز کو اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

واضح رہے کہ یہاں سری اور جہری نماز کی بحث نہیں ہے۔ بلکہ واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ جو نمازیں جہراً ادا کرنا ہیں ان میں دونوں ہی باتوں کا لحاظ کیا جائے۔ نہ تو آواز اتنی بلند کی جائے کہ نماز کا وقار مجروح ہو اور نہ اتنی پست کہ مقتدی سن نہ سکیں۔ ان دونوں انتہاؤں سے بچتے ہوئے درمیانی اور معتدل لہجہ اختیار کیا جائے، تا کہ نماز کا سکون بھی برقرار رہے اور پیچھے نماز پڑھنے والے بھی سن سکیں۔

۱۴۸۔ یہ خاتمۂ کلام ہے۔ سورۂ کا آغاز اللہ کے لئے پاکی (سبحان) سے ہوا تھا اور خاتمہ اس کی تعریف (حمد) پر ہو رہا ہے۔

۱۴۹۔ اس آیت میں شرک کی تینوں صورتوں کی تردید کی گئی ہے جس میں عام طور سے اہل مذاہب مبتلا ہیں۔ ایک اس کے بیٹا یا اولاد ہونے کا عقیدہ۔ دوسرے اس کی حکومت اور خدائی میں کسی کے شریک ہونے کا تصور، اور تیسرے اس کے مددگار ہونے کا خیال۔ مددگار کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے اور وہ زبردست قدرت و اقتدار والا ہے۔ پھر اس کو مددگاروں کی کیا ضرورت۔

۱۵۰۔ یعنی اس کی ایسی بڑائی بیان کرو کہ اس کی عظمت پوری طرح واضح ہو جائے۔ اور مشرکین اس کی طرف جو عیوب اور کمزوریاں منسوب کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں اس کی کبریائی کی شان کا اظہار ہو۔

اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کا کلمہ جو اذان اور نماز میں دہرایا جاتا ہے، اللہ کی اسی عظمت اور شانِ کبریائی کا اعتراف و اظہار ہے۔